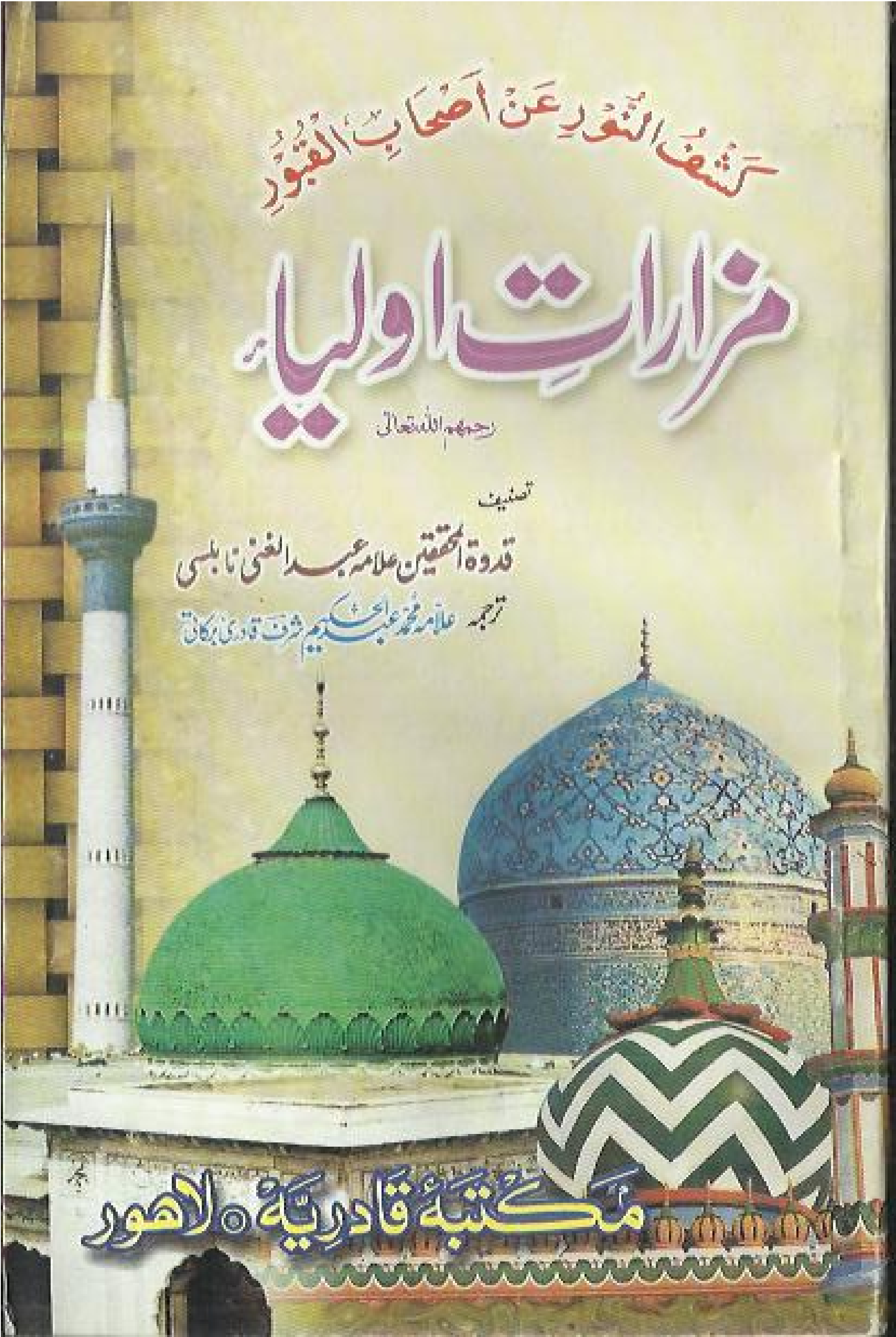


کشفُ النورِ عن اَصحابِ القبورِ
مزاراتِ اولیاء
رحمہم اللہ تعالیٰ
تصنیف
قدوۃ المحققین علامہ عبد الغنی نابلسی
ترجمہ علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری برکاتی
مکتبہ قادریہ ۰ لاہور

كَشْفُ النُّوْرِ عَنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ

مزاراتِ اولیاء

(رحمہم اللہ تعالیٰ)

پر

چادر چڑھانا جائز اور وصال کے بعد اولیاء کرام کی کرامات

ثابت ہیں

للامام العلامۃ العارف باللہ ناصح الامۃ قدوۃ المحققین

سیدی عبدالغنی آفندی النابلسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(م ۱۱۴۳ھ)

مکتبہ قادریہ

جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری منڈی لاہور

نام کتاب ___ کشف النور عن اصحاب القبور

ترجمہ ___ مزارات اولیا (رحمہم اللہ تعالیٰ)

تصنیف ___ علامہ عبد الغنی نابلسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اردو ترجمہ ___ علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری برکاتی

طبع دوم ___ محرم الحرام 1422ھ / 2001ء

کمپوزنگ ___ الحجاز کمپوزرز، اسلام پورہ۔ لاہور فون: 7225944

ناشر ___ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

باہتمام ___ حافظ نثار احمد قادری

مطبع ___

قیمت ___ [redacted]



مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

Ph:7226193



تمام تعریفیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور صلوٰۃ وسلام اس ذاتِ اقدس پر جن کے بعد کوئی (دنیا) نبی نہیں،

بندہ عبد الغنی ابن اسماعیل نابلسی کہتا ہے:

میں نے یہ رسالہ کراماتِ اولیاء کے ظہور بعد از وصال ان کے مزارات پر قبّے بنانے اور چادریں چڑھانے کے سلسلے میں لکھا ہے اور اس کا نام "کشف النور عن اصحاب القبور" رکھا،

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے حق وصواب القاء کرے اور میرے مسلمان بھائیوں کو حق ظاہر ہونے پر انصاف واعتراف کی توفیق دے، اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور دعا کی قبولیت اس کے شایانِ شان ہے۔

برادرانِ اسلام! اللہ تعالیٰ نے جن کرامات سے مقربین بارگاہ کو نوازا ہے وہ ایسے امور ہیں جو مخلوقات کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی عادت کے خلاف، محض اس کی قدرت وارادہ کے تحت ہیں ان میں ولی کو دی گئی قدرت اور ارادے کو باعتبار تاثیر وتخلیق کے کچھ دخل نہیں، ولی میں جو قدرت وارادہ پیدا کیا گیا ہے وہ صرف اس بات کا سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر کرامات کو پیدا کرے اور ان کرامات کی نسبت ولی کی طرف ہو جس شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ ولی کو کسی کرامت میں تاثیر (ایجاد) ہے وہ اللہ تعالیٰ کا منکر ہے جیسا کہ "علم توحید" میں بیان کیا گیا ہے۔

کرامت کی حقیقت

اللہ تعالیٰ جو کرامات ولی کے ہاتھ پر پیدا فرماتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ ولی اس امر کا یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تاثیر میں منفرد ہے اور میں تاثیر کی قوت نہیں رکھتا حتیٰ کہ اس کے نفس کی حرکات یعنی بدن میں پھیلی ہوئی روحانی قوتوں قوۃ باصرہ، سامعہ، ذائقہ، لامسہ، شامہ (دیکھنے، سننے، چکھنے، ٹٹولنے اور سونگھنے والی قوتیں) اور قوۃ عقلیہ، باطنہ، متفکرہ، متخیلہ اور حافظہ کی حرکات، اسی طرح تمام اعضاء اور پٹھوں وغیرہ میں ظاہر ہونے والی حرکات، تمام اللہ تعالیٰ نے اس میں پیدا کی ہیں، ولی ہر وقت ان سب کا اپنے نفس میں مشاہدہ کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے۔ ماسوا ان بعض اوقات کے جب اللہ تعالیٰ اس پر غفلت طاری کر دیتا ہے۔ اس وقت وہ (حقیقتاً) ولی نہ ہوگا، زمانِ ماضی کے اعتبار سے (مجازاً) ولی ہوگا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ مومن جب سو جاتا ہے تو اسے اس لئے مومن (تصدیق کرنے والا) کہا جاتا ہے کہ وہ حالت بیداری میں (زمانِ ماضی میں) مومن تھا۔

یہ حالت، اولیاء کا ادنیٰ حال اور ادنیٰ مشاہدہ ہے اس حالت کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" سے بطور اشارہ اخذ کرتے ہوئے طریق اولیاء میں موت اختیاری کہا جاتا ہے، اشارۂ آیت کے معنی یہ ہے اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) بے شک تم وصال پانے والے ہو اور وہ مرنے والے ہیں اگرچہ بظاہر تم سے اور ان سے ظاہر و باطن میں افعال اور ادراک کے اعتبار سے تاثیر ہے، کیونکہ تمہاری اور ان کی حیات مخلوق ہے اور حیات وہ عرض ہے جس کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ باطناً ادراک اور ظاہراً افعال و اقوال،

پیدا فرماتا ہے نہ کہ اس کے ذریعے سے تو یہ حیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان امور کے پیدا کرنے کا سبب محض ٹھہری لہٰذا درحقیقت آپ میں اور ان تمام میں یہی موت ہے۔ یہ اختیاری موت مقام ولایت کے لئے شرط ہے، ولی جب تک اس کے ساتھ متصف نہیں ہوتا ولی نہیں بنتا،

حدیث شریف "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ" کا اسی طرف اشارہ ہے، یعنی جس نے یہ پہچان لیا کہ نفس ان ظاہری اور باطنی قوتوں سے عبارت ہے جو غیر کی قدرت سے عدم سے معرضِ وجود میں آئی ہیں، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا، رب کا معنی مالک ہے تو معنیٰ یہ ہوا کہ اس نے اپنے ظاہری اور باطنی امور کے مالک، اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا، اسے پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان قویٰ کا مالک ہے اور جس طرح چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے، یہ بھی جان لے گا کہ میرا نفس اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے جس طرح چاہے اور پسند فرمائے اس میں تصرف فرماتا ہے۔

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قسم کے لئے یہ الفاظ ادا فرماتے تھے "وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ" یعنی قسم ہے اس ذات پاک کی کہ میری تمام ظاہری اور باطنی قوتیں صرف اسی کے تصرف میں ہیں مجھے اس تصرف میں کچھ دخل نہیں اس سے حدیث تقرب بالنوافل "كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ" الحدیث کا مطلب سمجھا جا سکتا ہے، یعنی نوافل کے ذریعے تقرب حاصل کرنے والے پر فاعل حقیقی ظاہر ہو جاتا ہے جو اس کی تمام قوتوں میں تصرف کرنے والا ہے اور قویٰ اس کے نزدیک بے اثر اعراض رہ جاتی ہیں جیسے کہ حقیقت بھی یہی ہے جب یہ قوتیں متقرب کی نظر سے زائل ہو جائیں تو انوار الٰہیہ ان کی جگہ ظہور پذیر ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ اختیاری موت کے بعد ہی ہوگا۔

جب حقیقت یہ ہے تو ولایت، عارفین کے نزدیک موت اختیاری کے ادراک اور اس سے متصف ہونے سے مشروط ہوئی اور اس وقت کرامات کے لیے موت کی موجودگی شرط ہوگی نہ کہ زندگی، جب یہ صورت ہے تو کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ موت کرامات کے منافی ہے، اس لیے کہ موت کرامات کے لئے شرط ہے، اور شرط مشروط کے منافی نہیں ہوتی، جب تک کوئی انسان اپنے آپ میں اس موت کا یقین نہیں کر لیتا وہ نہ عارف ہے نہ ولی وہ تو ایک عام مومن ہے جو غفلت اور حجاب میں گھرا ہوا ہے اس لئے کہ ولی وہ انسان ہے جس کے تمام ظاہری اور باطنی امور کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، ہاں ایک عام آدمی اپنے آپ کو اپنے امور کا مالک سمجھتا ہے کیونکہ وہ تمام امور کے مالک حقیقی، اللہ تعالیٰ سے غافل و بے خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن و کافر، اور غافل و ہوشمند کے امور کا مالک ہے، اس کے باوجود فرماتا ہے قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کو متصرف جاننے والے اور اس حقیقت سے بے خبر برابر نہیں ہیں۔ انما یتذکر اولوا الالباب کا مقصد یہ ہے کہ ارباب بصیرت بخوبی جانتے ہیں کہ عالم و جاہل اس اعتبار سے یکساں ہیں کہ ہر ایک کے ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کا تصرف جاری ہے۔

ثبوت کرامات کے دلائل

دلیل (۱)، کرامت بعد از وصال کا ثبوت فقہا کے اس قول سے ملتا ہے کہ "قبروں کی پامالی مکروہ ہے"۔ امام خبازی "مختصر محیط سرخسی" میں فرماتے ہیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبر کے پامال کرنے، اس پر بیٹھنے یا سونے، پیشاب کرنے اور قضائے حاجت کو مکروہ قرار دیا کہ اس میں صاحب قبر کی توہین[1] ہے۔

قاری الہدایہ کی تصنیف جامع الفتاویٰ میں ہے، بعض فضلا سے قبر کی پامالی کے بارے میں پوچھا گیا، انہوں نے فرمایا، مکروہ ہے، سائل نے پوچھا کیا مکروہ تنزیہی ہے؟ فرمایا: نہیں بلکہ گنہگار ہوگا، اس لئے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قبر پر چلنے سے انگارے پر پاؤں رکھنا زیادہ پسند ہے، سائل نے پھر پوچھا کہ (تابوت اور اس کے اوپر کی مٹی چھت کا درجہ رکھتی ہے (جب چھت پر چلنا جائز ہے تو قبر پر کیوں ناجائز ہے) فرمایا: تم صحیح کہتے ہو لیکن میت کا حق باقی ہے لہٰذا قبر کو پامال کرنا جائز نہیں ہے، امام خجندی سے پوچھا گیا کہ جس شخص کے والدین کی قبریں دوسرے مسلمانوں کی قبروں کے درمیان ہوں کیا اس کے لئے دعا، تسبیح اور تلاوت قرآن میں مصروف ہو کر قبروں کے درمیان سے گزرنا اور والدین کی قبروں کی زیارت کرنا جائز ہے؟ فرمایا: ہاں بشرطیکہ قبروں کو پامال کئے بغیر ممکن ہو۔

---

[1] اس مسئلہ کی تحقیق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین میں ملاحظہ فرمائیں

فتح القدیر میں ہے قبر پر بیٹھنا اور اسے پامال کرنا مکروہ ہے۔ بنابریں عامۃ الناس کا یہ فعل مکروہ ہے کہ اگر ان کے عزیزوں کے اردگرد دوسرے لوگ دفن کر دیئے گئے ہوں تو وہ اپنے باپ کی قبر تک پہنچنے کے لئے دوسروں کی قبروں کے اُوپر سے گزر جاتے ہیں۔ قبر کے پاس سونا اور قضاء حاجت کروہ ہے۔ بلکہ قضاء حاجت، بطریق اولیٰ مکروہ ہے، اسی طرح ہر وہ فعل جو سنّت سے معلوم نہیں ہے سُنّت سے صرف اس قدر معلوم ہے کہ قبروں کی زیارت کی جائے اور انکے پاس کھڑے ہو کر دعا کی جائے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلّم بقیع شریف (مدینہ طیبہ کا قبرستان، جا کر کیا کرتے تھے اور فرماتے :

تم پر سلام ہو اے ایمان دار قوم، ہم انشاء اللہ العزیز،
تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں، میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے
اور تمہارے لئے عافیت کا طلب گار ہوں (فتح القدیر)

جب یہ امر درست ہے اور کتب فقہ میں ثابت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ مُردوں کی بعد از وفات تعظیم و توقیر ہی ہے کہ قبر پر چلنا اور بیٹھنا مکروہ ہے، یہ عزت و کرامت شریعت مبارکہ میں ثابت ہے، یہ مخلوق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے خلاف ہے کیونکہ عادت اس طرح جاری ہے کہ انسان کے لئے زمین پر چلنا اور بیٹھنا اور تمام حیوانات کے اجزاء کو پامال کرنا جائز ہے، صرف اہل ایمان مُردے اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے حق میں عادت کی مخالفت کی گئی ہے اور یہ تمام امور مکروہ تحریمی قرار دیئے گئے ہیں کیونکہ مطلق کراہت، کراہت تحریمیہ پر ہی محمول ہوتی ہے۔ یہ سب بعد از وصال ان کی تعظیم کی بناء پر ہے، حالانکہ وہ عامۃ المسلمین میں سے ہیں۔ خواص مُسلمین یعنی اولیاء کرام مقربین بارگاہِ الٰہی کا کیا مقام ہوگا۔؟ اس گفتگو سے شرعی طور پر کرامت بعد از وفات ثابت ہوگئی۔

دلیل نمبر ۲:۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع شریف میں قبروں کی زیارت کرتے تھے اور اُن کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرتے تھے یہ بھی کرامات بعد از وصال کے ثبوت کی دلیل ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر نہ جانتے کہ ایمانداروں کی قبروں کے پاس دُعا خصوصیت مقام کے سبب مقبول ہے تو ان کی قبروں کے پاس یہ دُعا: اَسْأَلُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ (میں اپنی اور تمہاری عافیت کیلئے دعا مانگتا ہوں) نہ مانگتے اور مومنوں کی قبروں کی برکت سے (جن پر رحمت الٰہیہ نازل ہوتی رہتی ہے) دُعا کا قبول ہونا بعد از وصال کرامات سے ہے یہ تو عام مومنوں کی قبروں کے بارے میں ہے۔ خواص اہل توحید، کامل یقین والے، مقربین بارگاہ الٰہی کی شان تو بہت بلند ہے۔ اس میں بھی کرامت بعد از وصال کا ثبوت ہے۔

دلیل نمبر ۳:۔ شریعت مطہرہ کا یہ حکم کہ مسلمان میت کو غسل دینا، کفن پہنانا اور دفن کرنا ازراہ تکریم واجب ہے یہ ایسی کرامت ہے جو شریعت مبارکہ نے مومنین کیلئے بعد از وفات ثابت کی ہے اور یہ عادت کافروں اور تمام حیوانات کے بارے میں طریقہ جاریہ کے خلاف ہے۔ جنہیں غسل نہیں دیا جاتا۔

دلیل نمبر ۴:۔ نہایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ میت موت سے پلید ہو جاتی ہے اور موت سے ثابت ہونیوالی نجاست زائل کرنے کے لئے صرف انسان کیلئے ازراہ کرامت غسل واجب ہے۔ دیگر حیوانات کیلئے نہیں، جامع الفتاویٰ میں ہے کہ میت کو اسلئے غسل دیا جاتا ہے کہ وُہ تمام دوسرے حیوانات کی طرح موت سے نجس ہو جاتا ہے البتہ یہ انسان کی کرامت ہے کہ وُہ غسل سے پاک ہو جاتا ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ وُہ مومن ہے اسلئے پلید نہیں ہوتا، غسل اس لئے دیا جاتا ہے کہ وُہ بے وضو ہے (انتہیٰ) یہ بھی مومن کی کرامت بعد از وفات کا ثبوت ہے۔

دلیل نمبر ۵:۔ جامع الفتاویٰ میں ہے، قبر پر عمارت تعمیر کرنا مکروہ نہیں ہے جبکہ میت مشائخ علماء اور سادات سے ہو، اسی میں ہے، میت کو غسل دینے والا باوضو ہونا چاہئے اور یہ مکروہ ہے کہ غاسل جنبی ہو یا حیض والی عورت ہو (انتہیٰ) یہ بھی مومن کیلئے بعد از وفات کرامت کا صریح ثبوت

ہے۔ بلکہ مومن کے لیے تمام کرامتیں موت کے بعد ہی ثابت ہوتی ہیں، دنیاوی زندگی میں اس کے لیے حقیقۃً نہیں مجازاً کرامت ہوتی، کیونکہ وُہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے پڑوس میں ایسے دار میں رہتا ہے جس میں کفر کیا جاتا ہے۔ کسی عقلمند کو اس میں شک نہیں ہو سکتا۔ امام نسفی عمدۃ الاعتقاد میں فرماتے ہیں: ہر مومن موت کے بعد اسی طرح حقیقۃً مومن ہے جس طرح نیند کی حالت میں، اسی طرح رسولانِ گرامی اور انبیاء کرام وصال کے بعد حقیقۃً رسول اور نبی ہیں[1]، کیونکہ نبوت اور ایمان سے رُوح موصوف ہوتی ہے اور رُوح مرنے سے متغیر نہیں ہوتی۔ (انتہیٰ)

ہم کہتے ہیں مومن سے امام نفسی کی مُراد یا تو مومن کامل (ولی) ہے اور ایمان سے مُراد ایمان کامل ہے جو کہ ولایت ہے تو مقصد ہوگا کہ ولایت موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے کیونکہ وُہ روح کی صفت ہے اور رُوح تغیر پذیر نہیں ہے یا مومن سے ان کی مراد مطلق مومن اور ایمان سے مطلق ایمان ہے اس صورت میں مومن کامل اور ایمان کا حکم بطریق اولیٰ سمجھا جائے گا جب کہ ہم نے بیان کیا، خصوصاً جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ۔

ہم اس آیت کے اشارہ پر کلام کرتے ہیں اگرچہ اس کی عبارت کا انکار بھی نہیں کرتے جیسے کہ اہل اللہ کا طریقہ ہے۔

---

[1] حضرت مولانا محمد حسن جان سرہندی مجددی قدس سرہٗ الاصول الاربعہ میں فرماتے ہیں کہ اگر وفات کے بعد رسولوں سے رسالت، انبیاء سے نبوت اور اولیاء سے ولایت و کرامت زائل ہو جائے تو عام آدمی کے پاس سوائے ایمان کے کیا ہوتا ہے لازم آئے گا کہ عام آدمی مرتے ہی ایمان سے محروم ہو کر کافر ہو جائے (نعوذ باللہ تعالیٰ من ذالک)

عارفین کی دو موتیں ہیں:۔

۱۔ نفوس میں ۔۔۔۔ ۲۔ ابدان میں

عرفاء کے نزدیک نفوس معتبر ہیں نہ کہ ابدان کیونکہ بدن نفوس کی رہائش گاہ ہیں اور اعتبار مکین کا ہوتا ہے نہ مکان کا۔ راز باشندوں میں ہوتا ہے نہ مسکن میں، وُہ جب اپنے نفوس سے ظاہری اور باطنی طور پر شرعی مجاہدہ کرتے ہیں اور طریق استقامت پر گامزن ہو جاتے ہیں تو ان کے نفوس (اختیاری موت) مر جاتے ہیں اور وُہ موت کا ذائقہ چکھ لینے کی بنا پر حق کو پا لیتے ہیں، اُن کی روحیں دنیا میں نفوس کے واسطہ کے بغیر اجسام کی تدبیر میں مصروف رہتی ہیں اور وُہ صورۃ بشری کے باوجود معنوی طور پر فرشتے بن جاتے ہیں کیونکہ فرشتے ارواح مجرّدہ ہیں اور عرفا بھی نفوس کی موت کے بعد ارواح مجرّدہ رہ جاتے ہیں، جیسے کہ جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی صورت میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تھے، اب جس وقت ان کی رُوحوں کا تعلق تدبیر اجسام سے منقطع ہوگا (وفات کے وقت) تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرح ہوں گے، جب کہ وُہ صورت بشریہ سے جُدا ہو کر عالم تجرد میں چلے جاتے ہیں۔ ان کے حق میں یہ موت حقیقی نہیں بلکہ ایک عالم سے دُوسرے عالم کی طرف اور ایک رنگ سے دُوسرے رنگ کی طرف انتقال ہوگا، اسی لیے اللہ تعالےٰ نے انکے حق میں فرمایا۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى

آیت کریمہ کا یہ ایک اشارہ ہے جس کے معنی اور مفاہیم کی کوئی حد نہیں اور اس کی حکمتیں، اسرار اور اشارات کی کوئی انتہا نہیں۔

جب حقیقتِ حال یہ ہے تو کوئی عاقل کیسے گمان کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس ولی سے اپنے انعام و اکرام منقطع فرما دے گا جس کی ولایت موت طبعی سے کامل ہو گئی اور وُہ عالم مجرّدات سے ملحق ہو کر عالم ملکوت کی فضا میں فرشتوں کی معیت حاصل کر چکا ہے جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وصال کے وقت یہ دُعا فرماتے۔ "اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ"

وصال کے بعد کرامات کی مستند روایات

محققین اہل اللہ کی تصانیف میں اولیاء کرام کی بہت سی ایسی حکایات واقع ہیں جن سے اولیاء کرام کی کرامات بعد از وصال کا پتہ چلتا ہے۔ یہ وہ ر... ہیں جنہیں معتمد علماء نے قبول کیا ہے ہمارے لئے ان کے انکار کی کوئی گنجائش

امام غزالی کی کرامت

ہمارے مقتدیٰ مجتہد کامل، عالم عامل، الشیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ اپنی تصنیف "روح القدس فی مناصحۃ النفس" میں حضرت ابو عبداللہ ابن زین یا بُری اشبیلی کے تعارف میں فرماتے ہیں۔

> وُہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے تھے۔ انہوں نے ایک رات امام ابو حامد غزالی کے رد میں ابوالقاسم ابن حمدین کی تالیف کا مطالعہ کیا تو نابینا ہو گئے اسی وقت بارگاہ الٰہی میں سجدہ کیا اور عجز و نیاز پیش کر کے قسم کھائی کہ آئندہ اس کتاب کو نہیں پڑھوں گا اور نہ اسے اپنے آپ سے دُور کر دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بینائی لوٹا دی۔ (انتہیٰ)

یہ امام ابو حامد غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد ان کی کرامت تھی جو اُس بزرگ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئی۔ امام علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احوال موت کے بیان میں اپنی تصنیف کردہ کتاب "بُشریٰ الکئیب بلقاء الحبیب" میں فرمایا۔ حافظ ابوالقاسم لالکائی نے "السنۃ" میں پوری سند کے ساتھ محمد بن نصر صائغ سے روایت کی کہ میرے والد فوت شدہ مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھنے میں بہت شغف رکھتے تھے انہوں نے فرمایا۔

بیٹے! میں ایک دن ایک جنازہ پر حاضر ہوا جب لوگ اسے قبر میں رکھ چکے تو دو آدمی قبر میں اترے پھر ایک باہر نکلا اور دُوسرا اندر ہی تھا کہ لوگوں نے مٹی ڈال دی۔ میں نے کہا دوستو! کیا میت کے ساتھ زندہ بھی دفن کر دیا جائے گا؟ انہوں نے کہا قبر میں تو اور کوئی نہیں ہے میں نے سوچا ممکن ہے مجھے ہی شبہ ہوا ہو، اس کے بعد میں پھر قبر پر گیا اور دل میں کہا کہ میں نے دو آدمی ہی دیکھے تھے جن میں سے ایک باہر نکلا تھا دُوسرا اندر ہی رہا۔ میں اس وقت تک یہیں رہوں گا۔ جب تک اللہ تعالےٰ یہ معاملہ منکشف نہ فرما دے۔ میں نے دس مرتبہ سُورۂ یٰسین اور سُورۂ تبارک الذی پڑھی اور گڑگڑا کر عرض کی اے میرے رب! اس صورتِ حال کو منکشف فرما دے جو میں نے دیکھی ہے کیوں کہ مجھے اپنی عقل اور دین کا خطرہ ہے اچانک قبر شق ہو گئی اور ایک شخص نکل کر بھاگ کھڑا ہوا میں نے اسے پکارا اے بندہ خدا! تجھے تیرے رب کی قسم، ٹھہر جا حتیٰ کہ تجھ سے سوال کر سکوں۔ وُہ نہ ٹھہرا تو میں نے دوسری دفعہ اور تیسری دفعہ پکارا تو اُس نے مڑ کر دیکھا اور کہا، تو نصر صائغ ہے؟ میں نے کہا ہاں پھر اُس نے کہا تو مجھے نہیں پہچانتا؟ میں نے کہا نہیں اُس نے کہا ہم اللہ تعالےٰ کے دو فرشتے ہیں، ہمیں اہل سنت پر مقرر کیا گیا ہے۔ جب انہیں قبر میں رکھا جاتا ہے تو ہم انہیں قبر میں آ کر حجت کی تلقین کرتے ہیں، یہ کہا اور غائب ہو گیا۔

اہل سنت کو فرشتے قبر میں تلقین حجت کرتے ہیں

امام یافعی، روض الریاحین میں بعض اولیاء سے حکایت کرتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ

سے دُعا مانگی کہ مجھے اہلِ قبور کے مراتب دکھا دے میں نے ایک رات دیکھا کہ قبریں شق ہو گئیں، ان میں سے کوئی چارپائی پر کوئی ریشم اور دیباج پر، کوئی گلِ ریحان پر اور کوئی تخت پر محوِ استراحت تھا۔ کوئی رو رہا تھا اور کوئی ہنس رہا تھا، میں نے کہا اے رب! اگر تو انہیں یکساں عزت عطا کر دیتا، اہلِ قبور میں کسی پکارنے والے نے کہا اے بندۂ خدا! یہ اُن کے دنیاوی اعمال کا نمونہ ہے۔ تخت والے خوش اخلاق ہیں، ریشم اور دیباج والے شہدا ہیں گلِ ریحان والے روزہ دار ہیں، رونے والے گنہگار ہیں اور ہنسنے والے اہلِ توبہ ہیں"۔

امام یافعی فرماتے ہیں:

میت کو خیر یا شر میں دیکھنا، کشف کی ایک قسم ہے جسے اللہ تعالیٰ خوشخبری نصیحت یا میت کی بہتری یا اعطاءِ خیر یا قرض کی ادائیگی وغیرہ امور کے لئے ظاہر فرماتا ہے۔ یہ رؤیت عام طور پر نیند میں ہوتی ہے اور کبھی بیداری میں بھی ہوتی ہے اور یہ اصحابِ حال اولیاء کی کرامات سے ہے۔

کفایۃ المعتقد میں ہے۔

ہمیں بعض بندگانِ خدا نے بعض صالحین سے بیان کیا کہ وہ بعض اوقات اپنے والد کی قبر پر جاتے تھے اور اُن سے گفتگو کرتے تھے"۔

امام لالکائی، "السنۃ" میں یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے ایک گورکن نے بتایا کہ میں نے اس قبرستان میں عجیب ترین بات یہ دیکھی کہ مؤذن اذان دے رہا تھا اور ایک قبر والا اُس کا جواب دے رہا تھا۔

امام ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء میں حضرت سعید بن جبیر سے روایت نقل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی قسم! میں نے اور حمید طویل نے ثابت بنانی کو لحد

میں اتارا تھا جب ہم کچی اینٹیں برابر کر چکے تو ایک اینٹ گر گئی میں نے انہیں دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ دعا کیا کرتے تھے،

اے اللہ! اگر تو نے کسی مخلوق کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے تو مجھے بھی اجازت عطا فرما، اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو رد فرما دے۔

امام ترمذی، امام حاکم اور امام بیہقی راوی ہیں، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

ایک صحابی نے اپنا خیمہ ایک قبر پر لگا لیا، انہیں پتہ نہیں تھا کہ یہ قبر ہے انہوں نے کسی انسان کو قبر میں سورۂ ملک آخر تک پڑھتے ہوئے سنا، وہ صحابی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ عرض کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ (سورۂ ملک) عذاب کو روکنے والی اور نجات دینے والی ہے یہ اسے عذاب سے نجات دے گی۔

ابو القاسم سعدی کتاب الافصاح میں فرماتے ہیں۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے تصدیق ہے اس امر کی کہ صاحبِ قبر، قبر میں قرآن پاک پڑھتا ہے کیونکہ عبد اللہ نے اس واقعہ کی اطلاع دی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔

ابن مندہ حضرت طلحہ سے انہوں نے حضرت عبید اللہ سے روایت کی،

میں "غابہ" میں اپنے مال کے پاس گیا تو مجھے رات نے آلیا، میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام کی قبر کے پاس پناہ لی، میں نے قبر سے قراءت سنی جس سے بہتر میں نے نہیں سنی۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر ماجرا ذکر کیا تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ عبد اللہ ہے تمہیں نہیں پتہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو قبض فرما کر زبرجد اور یاقوت کی قندیلوں میں رکھا، پھر ان قندیلوں کو جنت کے وسط میں معلق فرمایا، جب رات ہوتی ہے تو انکی روحیں ان کی جانب لوٹا دی جاتی ہیں، وہ تمام رات یہیں رہتی ہیں حتیٰ کہ

جب فجر طلوع ہوتی ہے تو رُوحیں اپنے مقام کی جانب واپس کردی جاتی ہیں۔

امام ابونعیم، حلیۃ الاولیاء میں ابراہیم سے راوی ہیں کہ انہیں فرماتے ہیں،

مجھے ان لوگوں نے بیان کیا جو سحری کے وقت مقبرے کے پاس سے گزرتے تھے جب ہم حضرت ثابت بنانی کی قبر کے پاس سے گزرتے تو قرآن پاک پڑھنے کی آواز سنتے تھے۔

ابن مندہ، سلم ابن شبیب سے راوی ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے ابو حماد گورکن سے سنا وہ معتمد علیہ اور نیک آدمی تھا اس نے کہا

میں جمعہ کے دن دوپہر کے وقت قبرستان میں گیا، جس قبر کے پاس سے گزرا، اسی سے قرآن مجید پڑھنے کی آواز سنی۔

ابن مندہ، عاصم سقطی سے راوی ہیں کہ

ہم نے بلخ میں ایک قبر کھودی تو ساتھ والی قبر میں سوراخ ہو گیا، میں نے دیکھا کہ ایک معمر شخص قبلہ رُخ بیٹھا ہوا ہے اس نے سبز تہ بند زیب تن کیا ہوا ہے۔ اور اسکے ارد گرد سبزہ زار ہے۔ اس کی آغوش میں قرآن پاک رکھا ہے جسے وُہ پڑھ رہا ہے۔

ابن مند[illegible]ر نیشاپوری گورکن رہ وہ نیک اور متقی تھا سے راوی ہیں کہ میں نے ایک قبر کھودی تو اس کے پہلو میں دوسری قبر کھل گئی میں نے وہاں ایک خوبصورت بہترین لباس والے پاکیزہ بو نوجوان کو پالتی مارے ہوئے بیٹھے دیکھا، اس کی آغوش میں انتہائی خوشخط قرآن پاک رکھا ہوا تھا جسے وہ پڑھ رہا تھا، اس جوان نے میری طرف دیکھ کر پوچھا کیا قیامت قائم ہوگئی؟ میں نے کہا نہیں اس نے کہا اینٹ اس کی جگہ رکھ دو، چنانچہ میں نے اینٹ اس جگہ رکھ دی۔

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل کیا کہ انہوں نے ایک جگہ قبر کھودی تو وہاں ایک دریچہ کھل گیا، وہاں ایک شخص تخت پر موجود تھا اس کے سامنے قرآن پاک تھا جسے وہ پڑھ رہا تھا، اس کے سامنے سرسبز باغ

تھا، یہ واقعہ احد میں پیش آیا معلوم ہوا کہ وہ شہداء میں سے ہے کیونکہ اس کے چہرے کی ایک جانب زخم تھا، اس روایت کو ابوحیان نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

امام یافعی، روض الریاحین میں بعض صالحین سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے ایک عابد کے لئے قبر کھودی اور اس کی لحد تیار کی میں لحد درست کر رہا تھا کہ ایک بوسیدہ لحد سے کچی اینٹ گر گئی میں نے دیکھا تو ایک بزرگ قبر میں بیٹھا ہوا ہے، اس کے سفید کپڑے سرسرا رہے تھے اس کی گود میں سونے کا قرآن پاک سنہرے حروف سے لکھا ہوا رکھا تھا اور وہ اسے پڑھ رہا تھا اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پوچھا کیا قیامت قائم ہوگئی میں نے کہا نہیں تو اس نے کہا اینٹ اسی جگہ رکھ دو چنانچہ میں نے اسی جگہ رکھ دی۔

امام یافعی فرماتے ہیں ہمیں بعض ثقہ حضرات کے بارے میں بیان کیا گیا کہ انہوں نے ایک قبر کھودی تو انہیں ایک انسان دکھائی دیا جو تخت پر جلوہ گر قرآن پاک پڑھ رہا تھا اور اس کے نیچے نہر بہ رہی تھی، یہ دیکھتے ہی ان پر بیہوشی طاری ہوگئی انہیں قبر سے تو نکال لیا گیا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ انہیں کیا ہوا ہے، تیسرے دن انہیں کہیں ہوش آیا۔

سعید ابن منصور، حضرت اہبان بن صیفی غفاری، صحابی رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت عدیہ سے روایت کرتے ہیں کہ

ہمارے والد نے ہمیں وصیت کی کہ ہم انہیں قمیص میں کفن دیں، دفن سے دوسری صبح ہم نے دیکھا کہ وہ قمیص ہمارے پاس تھی جس میں ہم نے انہیں دفن کیا تھا۔

ابن ابی الدنیا، کتاب المنامات میں ایسی سند سے جس میں کچھ حرج نہیں، راشد بن سعد

کی مرسل روایت بیان کرتے ہیں۔

ایک شخص کی اہلیہ فوت ہوگئی، اس نے خواب میں کچھ عورتیں دیکھیں جن میں اس کی اہلیہ نہ تھی، اس نے ان سے اپنی اہلیہ کے بارے پوچھا تو انہوں نے کہا: تم نے اس کے کفن میں کوتاہی کی وہ ہمارے ساتھ نکلتے ہوئے شرماتی ہے، وہ شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر عرض پرداز ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا کوئی شخص قریب المرگ مل سکتا ہے؛ وہ شخص ایک انصاری کے پاس گیا جو قریب الوفات تھا اور اسے صورتحال بیان کی، انصاری نے کہا اگر کوئی مُردوں کو پہنچا سکتا ہے تو میں بھی پہنچا دوں گا، انصاری فوت ہوا تو وہ شخص زعفران سے رنگے ہوئے دو کپڑے لایا اور انصاری کے کفن میں رکھ دیے رات ہوئی تو وہ عورتیں آئیں ان کے ساتھ اس شخص کی اہلیہ بھی تھی، اس نے وہی دو زرد رنگ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

حضرت شیخ شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "طبقات الاخیار" میں حضرت شیخ احمد بدوی کے تعارف میں فرماتے ہیں۔

سیدی عبدالعزیز دیرینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب سیدی احمد بدوی کے متعلق پوچھا جاتا تو فرماتے: وہ سمندر ہیں جن کی گہرائی معلوم نہیں کی جا سکتی، فرنگیوں کے شہروں سے ان کا قیدیوں کو لانا، ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے لوگوں کو رہائی دلانا، ڈاکوؤں اور پناہ مانگنے والوں کے درمیان حائل ہونا ایسے واقعات ہیں جن کا احاطہ کئی دفتر بھی نہیں کر سکتے، میں کہتا ہوں، میں نے خود اپنی آنکھوں سے ۹۴۵ھ میں ایک قیدی حضرت سید عبدالعال کے منارہ پر قید میں دیکھا اس کے

گلے میں طوق تھا اور وہ مخبوط الحواس تھا میں نے اس بارے میں اس سے پوچھا تو اس نے کہا:

میں فرنگیوں کے شہروں میں قید تھا میں رات کے آخری حصے میں سیدی احمد کی طرف متوجہ ہوا تو ناگاہ وہ میرے سامنے تھے انہوں نے مجھے پکڑ کر ہوا میں پرواز کی اور مجھے یہاں چھوڑ دیا۔ وہ دو دن اس حال میں رہا کہ پرواز کی تیزی کے سبب اس کا سر چکراتا رہا۔ (انتہیٰ)

ان تمام امور سے کرامت بعد از وصال کا صریح ثبوت ملتا ہے اور یہ امر فی نفسہٖ حق ہے اس میں وہی شک کرے گا جس کا ایمان ناقص ہو، بصیرت مٹ چکی ہو، فضل الٰہی کے دروازے سے مردود ہو، اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں سے تعصب رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ نے اسے اولیاء کرام کی مخالفت کے بھنور میں ڈال دیا ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کی اہانت فرمائی ہو[1] اس پر غضب فرمایا ہو اور اسے شیطان کے سپرد کر دیا ہے۔ شیطان اس کے ساتھ کھیلتا ہے اور محبوبانِ خدا کا بغض اس کے دل میں ڈالتا ہے اور اسے بزرگانِ دین ان کی کرامات اور قبور کی توہین و بے ادبی پر اکساتا ہے حالانکہ جس نے علم کلام اور علم توحید پڑھا ہے وہ جانتا ہے کہ موت کے بعد ارواح کا تعلق اجسام سے ہوتا ہے باوجودیکہ ارواح اپنے مقام پر ہوتی ہیں جس طرح سورج کی شعاعیں زمین تک پہنچتی ہیں، اس بنا پر مومنوں کی قبروں کا احترام واجب ہے۔

امام جلال الدین سیوطی اپنی تصنیف "بشریٰ الکئیب بلقاء الحبیب" میں فرماتے ہیں کہ امام یافعی نے فرمایا:

اہل سنت کا مذہب ہے کہ فوت شدہ لوگوں کی روحیں بعض اوقات علیین یا سجین سے قبروں میں ان کے جسموں کی طرف لوٹائی جاتی ہیں

---

[1] ولنعم ماقیل ؎ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد — میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

خاص طور پر جمعہ کی رات، وہ مل بیٹھتے ہیں گفتگو کرتے ہیں، اہل نعمت نعمتیں پاتے ہیں اور اہل عذاب، عذاب جھیلتے ہیں، علیین اور سجین میں انعام یا عذاب صرف روحوں کو ملتا ہے جسموں کو نہیں، قبر میں دونوں شریک ہوتے ہیں (انتہی)

امام نسفی کی تالیف "بحر الکلام" سے پتہ چلتا ہے کہ موت کے بعد قبروں میں ارواح کا تعلق اجسام سے ہوتا ہے، "عذاب القبر" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں

سوال :۔ گوشت کو کس طرح تکلیف دی جاتی ہے! حالانکہ اس میں روح نہیں ہوتی۔

جواب :۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: جس طرح تیرے دانت کو تکلیف ہوتی ہے اگرچہ اس میں روح نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا کہ اگرچہ دانت میں روح نہیں ہے لیکن گوشت سے متصل ہونے کے سبب اس میں تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح موت کے بعد چونکہ روح کا تعلق جسم سے ہے اس لئے جسم کو تکلیف ہوتی ہے (انتہی)

یہ اس بات کی تصریح ہے کہ مُردوں کی روحوں کا ان جسموں سے ایک تعلق ہے جو قبروں میں ہیں اگرچہ گل کر مٹی ہو جائیں، اسی لئے شریعت مبارکہ نے قبروں کے احترام کا حکم دیا ہے جیسے کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، اہل ایمان کے لئے اولیاء کرام کی قبروں کا احترام، ان کی تعظیم اور زیارت اور ان سے برکت حاصل کرنا کس طرح نامناسب ہوگا جبکہ وہ جانتے ہیں کہ ارواح کا ملہ فاضلہ ان طیب و طاہر جسموں سے متعلق ہیں اگرچہ وہ مٹی ہو چکے ہوں جیسے کہ احادیث نبویہ کا مقتضیٰ ہے۔

میری رائے میں وہ منکر جاہل ہے اپنی جہالت کی بنا پر سمجھتا ہے کہ ارواح وہ اعراض

ہیں جو موت سے زائل ہو جاتے ہیں جس طرح حرکت اموات افعال و حرکات سے زائل ہو جاتے ہیں جیسے کہ بعض گمراہ فرقوں کا مذہب ہے۔ ان کا گمان ہے کہ اولیاء بعد از وصال مٹی ہو کر زمین کی مٹی سے مل جاتے ہیں نیز ان کی روحیں چلی جاتی ہیں لہٰذا ان کی قبروں کی کوئی عزت نہیں ہے، اسی لئے مزارات کی توہین و تحقیر کرتے ہیں، ان کی زیارت کرنے والوں اور ان سے برکت حاصل کرنے والوں پر انکار کرتے ہیں، حتیٰ کہ ایک دن میں نے اپنے کانوں سے سنا جب کہ میں شیخ ارسلان دمشقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارات کی زیارت کرنے جا رہا تھا ایک شخص کہہ رہا تھا۔

"تم مٹی کی کیسے زیارت کرتے ہو؟ یہ تو بیوقوفی ہے" مجھے انتہائی تعجب ہوا، میں نے اپنے دل میں کہا: یہ کسی مسلمان کا قول نہیں ہو سکتا، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قبر یا تو جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا، اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ مردوں کی روحیں اپنی قبروں میں راحت و سکون حاصل کرتی ہیں یا مبتلائے عذاب ہیں اس طرح کہ ارواح کا ان بوسیدہ اجسام سے تعلق ہے جو دنیا سے نکلے تو ایمان اور طاعت کی بدولت پاکیزہ تھے یا کفر اور معصیت سے ملوث تھے، اس وقت مومنوں کی قبریں لائق احترام، مستحق تعظیم و توقیر ہیں جس طرح وہ پہلے زندگی میں محترم اور مکرم تھے فقہاء کی تصریح ہے کہ جو عالم دین

لہ حضرت علامہ عبدالغنی نابلسی اولیاء کے بارے میں ایسا کہنے والوں کو "گمراہ فرقہ" قرار دے رہے ہیں تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت ایسے کلمات کہنے والوں کے متعلق علامہ کا کیا فتویٰ ہوگا! مولوی اسمٰعیل دہلوی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف غلط نسبت کر کے کہہ دیا کہ میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں (معاذ اللہ) (تقویۃ الایمان)

کو حقیر جانے یا اس سے بغض رکھے اس پر کفر کا خوف ہے۔

تعظیم و توقیر کے اعتبار سے زندوں اور مردوں میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ زندہ اور مردہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں کسی کو کسی شے میں تاثیر ایجادی نہیں ہے ہر حال میں مؤثر صرف اللہ تعالیٰ ہے زندہ اور مردے تاثیر نہ کرنے میں یقیناً برابر ہیں لیکن احترام سب کا لازم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ

اور جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتے ہیں تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے شعائر (نشان) وہ اشیاء ہیں جو اللہ تعالیٰ کا پتہ دیتی ہیں، مثلاً علماء اور صالحین زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں۔

بندگانِ خدا کی قبروں پر قبے تعمیر کرنا، ان کے لئے لکڑی کے تابوت تیار کرنا بھی ان کی تعظیم میں داخل ہے تاکہ عوام الناس انہیں بے ادبی کی نگاہ سے نہ دیکھیں، یہ اگرچہ بدعت ہے لیکن بدعت حسنہ ہے جیسے فقہاء نے فرمایا کہ بڑا عمامہ اور کھلے کپڑے استعمال کرنا اگرچہ بدعت ہے سلف صالحین اس پر عمل پیرا نہ تھے، تاہم علماء کے لئے جائز ہے تاکہ عوام ان کا احترام کریں اور بے ادبی سے پیش نہ آئیں۔

جامع الفتاویٰ میں "قبر پر تعمیر" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں بعض علماء فرماتے ہیں مکروہ نہیں ہے جب کہ میت مشائخ، علماء اور سادات سے ہو۔

مضمرات میں ہے۔ شیخ ابوبکر محمد بن الفضل فرمایا کرتے تھے ہمارے علاقوں میں پختہ اینٹ استعمال کرنے میں حرج نہیں اور یہ بھی فرماتے تھے۔ کہ لکڑی کا صندوق استعمال کرنا جائز ہے۔

امام تمرتاشی فرماتے ہیں۔ اختلاف اس وقت ہے جب میت کے گرد

ہو، اگر میت سے اوپر ہو تو مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ درندوں سے بچاؤ کی صورت ہے جیسے پکی اینٹ سے قبر کی کوہان بنانا رائج ہے تاکہ کھودنے سے محفوظ رہے اور اسے اہل علم نے حسن قرار دیا ہے۔

تنویر الابصار میں ہے۔

قبر پر عمارت نہ بنائی جائے، بعض اہل علم نے فرمایا اس میں حرج نہیں ہے اور یہی مختار ہے، امام زیلعی شرح کنز میں فرماتے ہیں کہا گیا ہے کہ لکھنے اور پتھر رکھنے میں حرج نہیں تاکہ علامت رہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پہ پتھر رکھا۔ (انتہی)

فقہاء نے صالحین اور اولیاء کی قبروں پر پردے ڈالنا عمامے اور کپڑے رکھنا مکروہ قرار دیا ہے۔ فتاویٰ الحجہ میں ہے قبروں پر پردے معلق کرنا مکروہ ہے، لیکن ہم اس وقت کہتے ہیں کہ اگر اس سے عوام کی نظروں میں تعظیم مقصود ہو تاکہ اس قبر والے کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں جس پر کپڑے اور عمامے رکھے گئے ہیں اور یہ مقصد ہو کہ غفلت شعار زائرین کے دلوں میں ادب واحترام پیدا ہو کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اولیاء کرام کی روحیں ان کے مزارات کے پاس جلوہ افروز ہوتی ہیں اور عوام کے دل ان قبروں میں مدفون اولیاء کرام کے ادب واحترام سے (ان کا مقام نہ جاننے کے سبب) خالی ہوتے ہیں تو یہ امر جائز ہے۔ اس سے روکنا مناسب نہیں کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے اسی امر کا ثواب ہے جس کی وہ نیت کرے، یہ اگرچہ بدعت ہے سلف صالحین اس طریقہ پر نہ تھے لیکن یہ ایسے ہی ہے جیسے فقہاء کتاب الحجہ میں فرماتے ہیں کہ طوافِ وداع کے بعد الٹے پاؤں لوٹے یہاں تک کہ مسجد سے نکل جائے،

اس میں بیت اللہ شریف کی تعظیم و تکریم ہے منہج السالک میں ہے۔

یہ جو لوگوں کا معمول ہے کہ وداع کے بعد الٹے پاؤں لوٹتے ہیں اس سلسلے میں نہ تو کوئی سنت مروی نہ اثر صحابہ، حالانکہ ہمارے اصحاب کا یہی طریقہ ہے۔ (انتہیٰ)

یہ بیت اللہ شریف کی تعظیم ہے حالانکہ وہ پتھر ہے، اولیاء کرام بلا شبہ اس سے افضل ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مکلف ہیں بیت اللہ شریف مکلف نہیں اس لئے کہ اس کی عبادت بغیر تکلیف کے ہے اولیاء کرام اگرچہ وفات پا چکے ہوں اور میت جماد کی طرح ہے تاہم احترام سب کا لازم ہے۔

بیت اللہ شریف کو غلاف پہنانا جائز ہے یہاں تک کہ علماء فرماتے کعبۃ اللہ کو ریشم سے ڈھانپنا جائز ہے، صالحین اور اولیاء کی قبریں کو کعبہ نہیں ہیں اور نہ احکام میں کعبہ کی مانند ہیں لیکن محترم ضرور ہیں، کیونکہ بیت اللہ شریف اگرچہ پتھر ہے ہمیں (نماز میں) اس کی طرف متوجہ ہونے، اس کا طواف کرنے، اس کی تعظیم و احترام کا حکم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے بطور تکلیف ہمیں اس کا مکلف فرمایا ہے ورنہ تو وہ پتھروں کا مجموعہ ہے، اور جو شخص خود بیت اللہ شریف کو سجدہ کرے گا وہ بت پرست ہو گا اللہ تعالیٰ سے کفر کرے گا، اسی لئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوران طواف حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے کہا تھا: میں جانتا ہوں کہ تو (بذاتہ) نفع اور نقصان نہیں دے سکتا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔ علماء فرماتے ہیں اس کا سبب یہ تھا کہ انہیں جاہلیت کا وہ دور یاد آ گیا تھا جب بیت اللہ شریف کے گرد بت رکھے جاتے تھے اور انہیں سجدہ کیا جاتا تھا آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ کوئی یہ گمان نہ کر بیٹھے کہ حجر اسود کو بوسہ دینا ایک طرح سے جاہلیت کی مشابہت ہے تو انہوں نے وہ کچھ کہا جو ابھی گ

ہم نے خواص و عوام میں سے کسی کے بارے میں نہیں سنا کہ مزارات اولیاء کے بارے میں اس کا یہ گمان ہو کہ وہ کعبہ ہیں ان کا طواف صحیح ہے یا ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے، حتیٰ کہ ہمیں ان پر کسی قسم کا خوف ہو، تمام عوام جانتے ہیں کہ قبلہ صرف کعبہ شریف ہے اور وہ مکہ مکرمہ میں ہے، بایں ہمہ وہ ان مزارات کا بہت ہی احترام کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اس کے محبوبین اور برگزیدہ بندوں کے مزارات ہیں، عامۃ الناس کے احوال سے ہمیں اتنی مقدار کا ہی علم ہے اور مومن، مومنوں کے بارے میں بھلائی کے سوا کوئی گمان نہیں کر سکتا۔

امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ جامع صغیر میں یہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "حسن ظن، حسن عبادت سے ہے" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا (الآیۃ)

"اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک کچھ گمان گناہ ہیں اور دوسروں کے عیب تلاش نہ کرو، اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔"

عامۃ المسلمین کے متعلق کمال حسن ظن لازم ہے۔ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ساتھ معاملہ فرماتے تھے حالانکہ آپ اللہ کی اطلاع سے جانتے کہ ان میں سے بعض منافق ہیں جو ایمان ظاہر کرتے ہیں اور کفر و انکار چھپاتے ہیں، اس کے باوجود آپ تمام کے ساتھ مومنوں والا معاملہ فرماتے تھے کیونکہ آپ ظاہر پر حکم کرنے کے لئے آئے تھے، مخفی امور اللہ تعالیٰ کے سپرد تھے، جس طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی

وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دیں، جب وہ کلمۂ اسلام پڑھ لیں گے تو مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کرلیں گے مگر وہ جن کا تعلق ان کے دماء اور اموال کے حق سے ہے (قصاص اور زکوٰۃ وغیرہ) اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔"

مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ ہر اس نو پیدا امر پر انکار کرے جو صدر اول میں نہیں تھا جب تک اس کی قباحت پر مطلع نہ ہو جائے یا جب تک معلوم نہ ہو کہ اس کا کرنے والا ایسے طریقہ پر کر رہا ہے جو دینِ محمدی کے مقصود کے خلاف ہے، کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا اسے اس کا ثواب ہوگا اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب ہوگا، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان امور کو سُنّت فرمایا ہے جنہیں اُمت آپ کے بعد ایجاد کرے گی بشرطیکہ مقصودِ شریعت کے خلاف نہ ہوں، حالانکہ ان کا وجود آپ کے زمانہ میں نہ تھا، بنا بریں بدعتِ حسنہ جو مقصودِ شریعت کے موافق ہو تو وہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سُنّت کہلائے گی۔

اسی نوع سے زیارۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بحث میں فقہاء کا یہ قول ہے یہ جو بعض لوگوں کا دستور ہے کہ مدینہ طیبہ کے قریب اُتر کر پیدل مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے ہیں حَسن ہے اور ہر وہ فعل جو ادب اور تعظیم میں زیادہ دخل رکھتا ہے حَسن ہے جیسے میرے والد ماجد نے شرح درر کی کتاب الحج کے حاشیہ میں فرمایا ہے۔

اسی پر قیاس کیا جائیگا اولیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس شمع اور قندیلیں روشن کرنا[1]

---

[1] اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ "بریق المنار بشموع المزار" تحریر فرمایا ہے۔ جس میں اس مسئلہ کو پورے شرح و بسط سے بیان کیا ہے ۱۲ شرف قادری

یہ بھی اولیاء کرام کی تعظیم و تکریم میں داخل ہے، اس میں مقصد بہر حال بہتر ہے خاص طور پر اس وقت جب اس ولی کے فقراء خدمت گار ہوں انہیں قرآن پاک پڑھنے تسبیح اور تہجد کے لیے چراغ جلانے کی ضرورت ہوگی، اگرچہ فقہاء نے قبروں کے پاس نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب قبر سے دُور تیار شُدہ مقام کے علاوہ پڑھی جائے (مثلاً قبر کے سامنے کھڑے ہوکر) والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح درر کے حاشیہ میں فرمایا:

قبرستان میں نماز یہود کی مشابہت کی بناء پر مکروہ ہے اور اگر قبرستان میں ایسی جگہ نماز کے لیے تیار کی گئی ہے جہاں قبر نہیں ہے اور نہ نجاست ہے تو کچھ حرج نہیں جیسے فتاویٰ خانیہ میں ہے، الحاوی میں ہے کہ اگر قبریں نمازی کے پیچھے ہیں تو مکروہ نہیں، اور اگر نمازی اور قبر کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرے تو مکروہ نہ ہو تو بھی نماز مکروہ نہ ہوگی (انتہیٰ)

قبروں پر دونوں ہاتھ رکھنا اور اولیاء کرام کی ارواح کے مواضع سے برکت طلب کرنا اس میں بھی حرج نہیں ہے، جامع الفتاویٰ میں ہے۔

قبروں پر ہاتھ رکھنا نہ سنت ہے نہ مستحب، لیکن ہم اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتے (انتہیٰ)

اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اگر مقصد خیر ہے تو یہ فعل بھی خیر ہوگا، دلوں کی باتیں اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں۔

اولیاء کرام کے لیے بطور محبت و تعظیم، زیتون کے تیل یا شمع کی نذر ماننا فی الجملہ جائز ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ ذمی زیتون کا تیل بیت المقدس کے چراغ میں جلانے کے لیے وقف کرتا ہے تو صحیح ہے کیونکہ یہ بہار – ۔ اور ان کے نزدیک

عبادت ہے امام خصاف کی کتاب الاوقاف میں وقف ذمی کی بحث میں ہے کہ:

اگر ذمی کہے کہ میری زمین وقف ہے جس کی پیداوار بیت المقدس کے چراغ کے تیل کے لئے صرف ہوگی، یہ جائز ہے کیونکہ یہ ہمارے اور ان کے نزدیک اتفاقاً عبادت ہے (انتہی)

بیت المقدس ایک مقدس مسجد ہے اس میں چراغ جلانا اس کی تعظیم ہے اسی طرح صالحین اور اولیاء مقربین کے مزارات مقدس ہیں[1]

اسی طرح درہم و دینار (روپے پیسے) اولیاء کرام کی نذر کرنا فی نفسہ جائز ہے تاکہ ان کے مزارات کے پاس رہنے والے فقراء پر صرف کئے جائیں کیونکہ نذر سے مجازاً عطیہ مراد ہے جس طرح فقہاء فرماتے ہیں: فقراء کے لئے ہبہ، صدقہ ہے دینے والا اسے واپس نہیں لے سکتا، اغنیاء کو صدقہ دیا جائے تو وہ ہبہ ہوگا دینے والا واپس لے سکتا ہے۔ دراصل اعتبار مقاصد شرع کا ہے الفاظ کا نہیں، نذر اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، جب اسے اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کے لئے استعمال کیا جائے مثلاً ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے اگر اللہ تعالےٰ نے میرے مریض کو شفا دیدی تو تیرے لئے مجھ پر دس درہم ہیں پھر کہتا ہے میں نے فلاں کے لئے اتنے کی نذر مانی ہے تو یہ اس شخص کے لئے وعدہ ہوگا، اگر وہ آدمی مالدار ہے تو نذر سے مجازاً ہبہ مراد ہوگا اور اگر فقیر ہے تو صدقہ مراد ہوگا، کبھی انسان کسی ذمی کافر کے لئے کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا عطا فرمادی تو تیرے لئے مجھ پر سو درہم ہیں مثلاً، تو یہ کہنے سے گنہگار نہ ہوگا اور یہ صدقہ ہوگا کیونکہ زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ اہل ذمہ فقیروں پر صرف کرنا جائز ہے،

---

[1] بعض مزارات پر بجلی کا معقول انتظام ہوتا ہے اس کے باوجود بے تحاشا موم بتیاں جلائی جاتی ہیں یہ سراسر اسراف ہے۔ منہ کرنا ۱۰ منہ ۱۲ شرف قادری

اسی طرح فقہاء نے اپنی تصانیف میں بیان کیا، اگر کوئی شخص ولی کی وفات کے بعد یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا دے دی تو آپ کے لئے میرے ذمہ سو درہم ہے تو اسے کوئی عقلمند حرام نہیں کہہ سکتا، حالانکہ اولیاء کرام اگرچہ وصال فرما چکے ہیں اس سلسلے میں دوسروں سے اولیٰ ہیں، کیونکہ کہنے والا جانتا ہے کہ یہ رقم اس ولی کے خدام اور پاس رہنے والے فقراء کی ضروریات پر صرف کی جائے گی، لہٰذا اس قائل کا یہ کہنا لینے والوں کے لئے وعدہ، عطیہ اور اباحت قرار دیا جائیگا کیونکہ مومن کا قول حتی الامکان صحیح صورت پر محمول کیا جائے گا۔

بعض لوگوں کا بغیر کسی دلیل قطعی کے ان امور کو حرام قرار دینا اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حیا اور اس کا خوف نہیں ہے، کیونکہ ممانعت میں حرام کی وہی حیثیت ہے جو امر میں فرض کی حیثیت ہے۔ ہر ایک کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے۔ قرآن پاک کی آیت ہو سنت متواترہ ہو، معتبر اجماع ہو یا مجتہد کا قیاس ہو کیونکہ ایسے مقلدین کا قیاس معتبر نہیں ہے جن میں اصول فقہ کی کتابوں میں بیان کردہ شرائط اجتہاد موجود نہ ہوں۔

بعض فریب خوردہ لوگوں کا یہ کہنا کہ عوام جب کسی ولی کے معتقد ہوں گے، اس کے مزار کی تعظیم کریں گے اور اس سے برکت و امداد طلب کریں گے تو ہمیں خوف ہے کہ وہ یہ اعتقاد کرلیں گے کہ اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایجاد و تخلیق میں دخل ہے اس طرح وہ کفر اور شرک میں واقع ہو جائیں گے اس لئے ہم انہیں ایسی باتوں سے روکتے ہیں، اولیاء کے مزارات منہدم کرتے ہیں اُن پر بنائی ہوئی عمارتیں گراتے ہیں، ان کے پردے اتارتے ہیں اور کھلم کھلا اولیاء کی توہین کرتے ہیں تاکہ عوام جاہل جان لیں کہ اگر اولیاء اللہ تعالیٰ کے علاوہ وجود میں مؤثر ہوتے تو ہم جو ان کی توہین کرتے ہیں اس کا دفاع کرسکتے۔" تمہیں پتہ ہونا چاہیئے کہ یہ فعل صریح کفر ہے، قرآن مجید میں فرعون

کے نقل کردہ قول کے مماثل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ (الآیۃ)

فرعون نے کہا: مجھے موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کرنے دو، انہیں چاہیے کہ اپنے رب کو بلائیں، مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین کو تبدیل نہ کردیں یا زمین میں فساد پیدا نہ کردیں۔

اسی طرح یہ مبتلائے فریب جنہیں ابھی تک کامل یقین نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ، اولیاء کرام کو محبوب رکھتا ہے اور ان کی زندگی میں ان کے ہاتھوں پر تمام وہ امور پیدا فرماتا ہے جو مقدر ہو چکے ہیں کہ اولیاء کرام ان کا ارادہ کریں گے بشرطیکہ مخالف شریعت نہ ہوں، اور ان کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام وہ غیر معمولی چیزیں پیدا ہوئی ہیں جن کا ارادہ ان کی خداداد روحیں کرتی ہیں، گویا ان لوگوں کو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ ایمان حق ہے اور اللہ کے نزدیک نجات دینے والا ہے۔

ان لوگوں کے دل شکوک و شبہات، اوہام و تحیرات اور گمراہی سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ اندھے اور بہرے ہوگئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے حتیٰ کہ حق و باطل کے درمیان فرق نہیں کر سکتے، جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

اگر ان لوگوں کو عامۃ المسلمین پر کفر و شرک میں واقع ہونے کا واقعی خوف ہوتا تو انہیں عقائد و توحید کے احکام سکھاتے، اور نزاع و جدال کے بغیر انہیں قطعی دلائل و براہین سکھاتے، اور انہیں عقائد کے سمجھنے اور فضائل میں غور و فکر پر آمادہ کرتے اور اس سلسلے میں ان پر پوری سختی کرتے، کیونکہ عوام الناس کے دلوں میں جب یہ بات بیٹھ جائے گی کہ فاعل حقیقی، صرف ایک ذات ہے اس کے علاوہ کوئی مؤثر حقیقی

نہیں تو ان کا خیال بھی اس طرف نہیں جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی مؤثر ہے اور وہ یقین رکھیں گے کہ تمام مخلوق اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے نفتنے اور حیرتیں، ایسے اسباب ہیں جن کے ذریعے اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈالتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ

یعنی اللہ تعالیٰ تمام محسوسات اور معقولات کو محیط ہے، مقصد یہ ہے کہ کوئی شے اس کے مشابہ نہیں اور وہ کسی کے مشابہ نہیں ہے۔

بالفرض اگر عوام الناس کی وہی مراد ہے جو ذکر کی گئی ہے تو محض عوام کی گمراہی کے ڈر کی بنا پر اولیاء و مقربین کے قبوں کو شہید کرنا، عوام کی نگاہوں میں ان کے مزارات کی توہین اور ان کے احترام کے پیش نظر لگائے گئے پردوں کو پھاڑنے سے اولیاء کے حق میں اللہ کی حرمتوں کی توہین کس طرح جائز ہوگی؟ (یہ بھی سوچنا چاہیے کہ) عوام کے حق میں بدگمانی کا کیا جواز ہوگا حالانکہ نہ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرح کرتے تھے اور نہ صحابہ کرام، کیونکہ مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی حرام ہے جیسے کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

کسی معین بزرگ کی عقیدت، ان کی طرف نسبت اور ان کے مخصوص طریقے پر چلنا اہم مقصد ہے کیونکہ جس طرح ظاہری اعمال میں مقلد اگر مجتہد نہیں ہے تو اسے کسی مخصوص مذہب پر چلنے کی ضرورت ہے مثلاً حنفی امام اعظم ابوحنیفہ کی تقلید کرتا ہے اور شافعی امام شافعی کی تقلید کرتا ہے وغیر ذالک اسی طرح ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے والے راستے پر چلنے کے لئے خاص شیخ (بزرگ) کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس شیخ کی محبت و عقیدت کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے برکت اور امداد اس شخص کو حاصل ہو جس طرح شیخ کی حیات ظاہری میں ان کے خادم، معتقد اور ان سے مدد مانگنے والے کو برکت

پہنچتی ہے اسی طرح جب شیخ وصال کے بعد قبر میں آرام فرما ہو دبرکت پہنچتی ہے کیونکہ درحقیقت مؤثر اللہ تعالیٰ ہی ہے، شیخ زندہ ہوں یا وصال فرما چکے ہوں، ان سے استمداد میں کوئی فرق نہیں ہے جبکہ یہ جان لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تاثیر میں شریک نہیں ہیں۔ کیونکہ مرید صادق جب صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے شیخ حیات ہوں یا وصال فرما چکے ہوں کے واسطے سے کہ وہ ایک سبب ہیں مدد طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے یقیناً ناکام نہیں فرماتا کیونکہ مرشد کامل زندہ ہوں تو ان کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی تاثیر سے مرید کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیں پہنچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے البتہ مرشد سبب ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جوامت کے سب سے بڑے مرشد ہیں فرمایا:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

بے شک اے حبیب! آپ بذات خود جسے پسند کریں منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے راہ راست کی ہدایت فرماتا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا:-

لیس لك من الامر شئی۔ اے حبیب! آپ کو تخلیق کا کچھ اختیار نہیں، (یعنی مؤثر صرف اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے بڑے سبب ہیں)

ہمارے مقتدا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں وہ راہبر جن سے میں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں نفع حاصل کیا ان میں سے ایک وہ پرنالہ تھا جو میں نے "فاس" شہر میں ایک دیوار میں دیکھا تھا جس سے چھت کا پانی نیچے گرتا تھا، میں نے اس سے بھی راہنمائی حاصل کی (یعنی تمام مخلوق وسائل اور اسباب کی حیثیت رکھتی ہے تمام نفع اور نقصان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) ان کے راہنماؤں میں سے ان کا سایہ بھی جو ان کی ذات سے

طلوع ہو کر دور تک پھیل جاتا تھا (یعنی سائے کی اپنی کوئی حیثیت نہیں وہ تو صرف صاحب سایہ کا عکس ہے)

ایسی ہی اور مثالیں انہوں نے اپنی کتاب روح القدس میں بیان کی ہیں کیا یہ حضرات اولیاء کرام پرنالے اور سائے سے اعلیٰ نہیں ہیں جن سے شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی طلب صادق کی بناء پر مدد طلب کرتے تھے، کوئی ذی ہوش یہ جانتے ہوئے کہ اولیاء کرام کی روحیں قبروں میں ان کے اجسام سے متعلق ہیں جیسے اس سے قبل بیان ہو چکا، اولیاء کرام سے مدد کے طلب گار ہونے کا انکار نہیں کر سکتا اور کوئی مسلمان ان اموات سے استمداد کو کیسے بعید جان سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے یقیناً غفلت والے زندوں سے افضل ہیں، اس کے باوجود تو دیکھے گا کہ جب اس منکر کو کسی ظالم، فاسق یا کافر سے کوئی کام پڑ جائے تو بڑی عاجزی، انکساری اور خوشامد کے ساتھ اس کے پاس جائیگا اور کہے گا میرا فلاں کام کر دیجئے اور اس سے مدد مانگے گا (یا پولیس المدد) پھر کہے گا کہ فلاں نے میرا کام کر دیا، مجھے نفع پہنچایا ہے۔ بلکہ بھوکا ہو تو خوراک سے سیری کی امداد، پیاسا ہو تو پانی سے سیرابی کی امداد، ننگا ہو تو کپڑے سے ستر پوشی کی امداد وغیر ذالک طبعی امدادیں طلب کرتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ خوراک، پانی اور کپڑا بے جان چیزیں ہیں اور اگر اس استمداد کی تصریح کر دے کہ میں خوراک سے سیری طلب کرتا ہوں وغیر ذالک مجازی معنیٰ مراد لے اور عقیدہ یہ ہو کہ حقیقتاً مدد دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تو کوئی خطا نہیں، گناہ نہیں، عار نہیں،

؎ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

حاکم حکیم داد و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں ۔ مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

اسی طرح یہ غافل کہتا ہے کہ فلاں دوا جلاب آور ہے، فلاں شے قابض ہے، فلاں معجون فلاں مرض سے فائدہ دیتی ہے، یہ بات کہتے ہوئے اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی ہاں اگر تاثیر اور استمداد کی نسبت اولیاء کرام کی طرف کر دی جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر دوا اور ہر معجون سے افضل ہیں تو اسے تنقید بھی یاد آجاتی ہے اور پرہیز بھی۔ اب سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس کا نورِ بصیرت بجھ چکا ہے اور حق و صواب دیکھنے والی بینائی ختم ہو چکی ہے۔

مرید کو رشد و ہدایت اور امداد حاصل کرنے کے لئے زندہ یا وصال فرمودہ شیخ کا دامن پکڑنے پر، العہود المحمدیہ میں شیخ عبدالوہاب شعرانی کی یہ نقل شوق دلاتی ہے۔ کہ حضرت معروف کرخی اپنے احباب کو فرمایا کرتے تھے کہ اگر بارگاہ الٰہی میں تمہاری کوئی حاجت ہو تو اللہ تعالیٰ کو میری قسم دو، اس کی ذات کی قسم نہ دو، اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتے لہٰذا وہ ان کی درخواست قبول نہیں فرماتا، اگر اسے پہچانتے تو ان کی دعا قبول فرماتا، اسی طرح سیدی محمد حنفی شاذلی سے منقول ہے، وہ ایک جماعت کے ہمراہ مصر سے روضہ کی طرف پانی پر چلتے ہوئے جا رہے تھے، اور انہیں فرماتے تھے "یا حنفی" کہتے ہوئے میرے پیچھے چلتے رہو اور دیکھو! "یا اللہ" نہ کہنا ڈوب جاؤ گے! ان میں سے ایک شخص نہ مانا اور "یا اللہ" کہا اس کا پاؤں پھسلا اور وہ حلق تک پانی میں چلا گیا، شیخ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: بیٹے! تجھے اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں ہے حتیٰ کہ اس کا نام لے کر پانی پر چل سکے، ٹھہر! تجھے اللہ تعالیٰ کی معرفت عطا کرتا ہوں یہ کہا اور تمام حجابات اٹھا دئے (انتہی)

حاصل کلام یہ ہے کہ ہو سکے تو زندہ شیخ ورنہ وصال فرمودہ بزرگ کا دامن پکڑنا بہتر ہے، حقیقت یہ ہے کہ سب اموات ہیں جیسے ہم اس سے پہلے ارشاد ربانی "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" کا مطلب بیان کر چکے ہیں، سمجھنے کی کوشش کرو انشاء اللہ تعالیٰ

راہ پاؤ گے معترض نہ بنو ہلاک ہو جاؤ گے، اس لئے کہ جب اولیاء کرام کی بے ادبی کی جائے تو اللہ تعالیٰ سخت غیرت فرماتا ہے[1]۔ قسم اس ذات اقدس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ فیصلہ کن بات ہے ہزل نہیں ہے، بے شک وہ مکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خفیہ تدبیر فرماتا ہے، کافروں کو تھوڑی ڈھیل دو، انہیں کچھ مہلت دو۔

ہاں یہ ڈھول اور نفیریاں یہ علم اور جھنڈے آج کے فقراء جس کے پابند ہیں اور یہ اوقات جو اس زمانے کے مشائخ نے اختراع کئے ہیں بے شک جہالت، لہو اور جھوٹ ہیں۔ راہنما شیخ کو لائق نہیں کہ انہیں اپنائے یا ان کی تائید کرے، اس میں ماسوا اللہ تعالیٰ کے فریب میں مبتلا ہونے اور علم تاریخ کی طلب اور حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث و سنن میں اجتہاد سے اعراض والا فساد ہے، اگرچہ عرفاء کاملین سے یہ امور سرزد ہوں تو ہم اس پر انکار نہیں کرتے (کہ خطائے بزرگاں گرفتن خطا است) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے حبیب! تم فرما دو کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟ صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔"

صحیح عقیدہ اور عبادات و معاملات میں سے واجب کو جان لینے کے بعد اکٹھے ہونا اور ادب و احترام کے ساتھ بغیر کسی غلطی کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا نہ صرف جائز ہے۔ بلکہ مستحب ہے[2] جس نے اپنے تعصب اور جہل کی بنا پر اسے رد کیا ہے وہ لائق توجہ نہیں

---

[1] حدیث قدسی میں ہے "من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب" جو میرے ولی سے دشمنی رکھے میری طرف سے اسے اعلان جنگ ہے ۱۲

[2] متوسط بلند آواز سے ذکر کرنا جائز اور مستحب ہے، تفصیل کے لئے "ذکر بالجہر" ہر دو حصص از مولانا علامہ غلام رسول سعیدی زید مجدہٗ مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ لاہور ملاحظہ فرمائیں۔

ہے، حضرت شیخ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الشرح الکبیر علی الجامع الصغیر" میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا کہ انہوں نے حدیث شریف "اَکْثِرُوْا ذِکْرَ اللّٰہِ حَتّٰی یَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ" (اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ کہیں یہ پاگل ہے) اور ایسی ہی دوسری حدیثوں سے اپنے فتاویٰ حدیثیہ میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ صوفیاء کرام جو مسجدوں میں ذکر کی مجلسیں قائم کرتے ہیں، بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں اور کلمہ طیبہ اونچی آواز سے پڑھتے ہیں اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ امام مناوی نے فرمایا ''متعدد حدیثیں بلند آواز سے ذکر کرنے کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں اور کئی حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر آہستہ کرنا چاہیے، ان میں تطبیق یہ ہے کہ یہ مختلف حالات اور مختلف اشخاص کے اعتبار سے ہے (بعض اشخاص کے لئے بعض حالات میں جہر بہتر ہے اور بعض کے لئے آہستہ بہتر ہے)، جس طرح امام نووی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن حدیثوں میں تطبیق دی ہے، جن میں سے بعض سے بلند آواز سے قرأت کا استحباب معلوم ہوتا ہے اور بعض سے آہستہ پڑھنے کا (انتہی کلامہ)

البتہ خاص طور پر یہ چیخنا، چلانا، گلا پھاڑنا، گانے والوں کی آوازیں سُن کر اور بلند آواز سے ذکر کرنے والوں کی آوازوں کی شدت سے وجد میں آنا اور ہاتھ پاؤں مارنا اس سلسلے میں ہم بغیر کسی قید کے کچھ نہیں کہتے بلکہ ہم تفصیل کریں گے کہ اگر یہ حق ہے کہ اس وقت اس کے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہونے والے معانی نے اسے مجبور کر دیا اور وہ حالت وجد میں بے ساختہ اُٹھ کھڑا ہو تو ہم اس کا انکار نہیں کرتے لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ یہ اس شخص کے لئے کمال نہیں ہے، کمال پُر سکون رہنا ہے جیسے ارسلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم توحید کے موضوع پر لکھے ہوئے اپنے رسالہ میں فرمایا ہے کہ

جب تو اُسے پہچان لے گا تو پُر سکون ہو گا جب نہیں پہچانے

گا، تو مضطرب رہے گا۔[1]

اور اگر محض خواہش نفسانیہ نے اسے کھڑا ہونے، وجد کرنے اور عمداً حرکت کرنے پر ابھارا ہے، اس کی محبت کو ابھارا ہے اسے خوشی اور طرب میں مبتلا کیا ہے اور چیخنے اور ناچنے پر برانگیختہ کیا ہے تو وہ سرکش شیطان ہے اسے منع کرنا، دور کرنا اور جماعت میں سے نکال دینا ضروری ہے تاکہ باقی ذکر کرنے والوں کو نہ بگاڑے ان کے دلوں کو پراگندہ اور ان کے خشوع و احترام کو ختم نہ کر دے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ سچے اور جھوٹے مرید میں فرق کس طرح معلوم ہوگا؟ تو ہم کہیں گے کہ جو شخص شراب پیتا ہے تو ضرور یا تو وہ قے کرے گا یا (کم از کم) اس کے منہ سے اس کی بو محسوس کی جائے گی، تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہم اس سے پوچھیں گے کہ تمہیں چیخنے چلانے اور ناچنے پر کس چیز نے برانگیختہ کیا ہے؟ اگر وہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہونے والے کسی معنی نے اس پر ابھارا ہے اور سماع کے دوران دل پر وارد ہونے والے معانی کی کسی قدر تفصیل بیان کرتا ہے حتیٰ کہ ہم پھل سے شاخوں پر اور پھول سے باغ پر استدلال کر سکیں تو ہم اس کی بات مان لیں گے اور اس کے بارے میں نیکی کا گمان رکھیں گے اور اگر ہمارے سوال کے جواب میں محض جوشش کا اظہار کرتا ہے اور صرف اتنا کہتا ہے کہ میں اپنے رب کی محبت میں حیرت زدہ ہو گیا تھا اور حقائق وجود کے ذکر نے مجھے اکسایا تھا اور وہ ہر فضیلت سے خالی ہے تو وہ سرکش شیطان ہے اسے نکال باہر کرنا اور تادیبی کارروائی کرنا لازم ہے۔

---

[1] حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند   کاں را کہ خبر شد، خبرش باز نیامد

(۱) حضرت شیخ شرف الدین ابن فارض، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، حضرت عفیف الدین تلمسانی اور شیخ عبدالہادی السودی وغیرہم صوفیاء عارفین کے اشعار کا پڑھنا تو یہ دل کو بارگاہ الٰہی کی طرف راغب کرتے ہیں، ہر وہ شخص جو حقائق کو سمجھتا ہے اس کے لئے ان کا سننا اور پڑھنا جائز ہے، اور جسے یہ اشعار لہو میں مشغول کر دیں، نفسانی مسرت میں واقع کر دیں اور ان سے واردات قلبیہ کا فائدہ نہ ہو تو اس کے لئے ان کا سننا جائز نہیں ہے کیونکہ اس وقت اس کا سننا محض لہو اور فریب ہے جس طرح شاعر نے کہا ہے۔ ؎

اگر تو نے زندہ کو پکارا ہے تو تو نے اسے ضرور سنایا ہے
لیکن جسے تو پکار رہا ہے وہ تو زندہ ہی نہیں ہے

ہم پر لازم ہے کہ ہم کائنات کے کسی فرد کے بارے میں بدگمانی نہ کریں، سوائے اس شخص کے جو اپنے کفر کا برملا اظہار کرتا ہے یا بے باکانہ فسق کا مرتکب ہے، جب وہ ہمیں اپنے متعلق خود بتا دے یا ہمیں اس کے کلام کی بے ہودگی سے پتہ چل جائے اور ہمیں آشکارا ہو جائے کہ وہ سمجھتا نہیں ہے اور اپنے رب پر یقین نہیں رکھتا، ورنہ، ہمارے نزدیک سب کمال پر محمول ہیں، اس قدر بیان ہم پر واجب تھا، ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے آپ سے خیانت نہ کرے اور اپنے نفس کو مغالطہ نہ دے، اگر اپنے نفس میں معرفت کی قوت پاتا ہے اور سماع، وجد اور اشعار خوانی کی مجلسوں میں حاضری سے فائدہ محسوس کرتا ہے تو حاضر ہو ورنہ علوم نافعہ (علوم دینیہ) کی طلب میں مشغول ہونا بہتر ہے، جیسے شاعر نے کہا ہے۔

جب تو کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتا تو اسے چھوڑ دے
اور ایسا امر اختیار کر جس کی تو طاقت رکھتا ہے۔

طریقت میں منافقت سے پوری طرح گریز لازم ہے، کیونکہ کھوٹے کھرے میں فرق کرنے والا ہی صاحب بصیرت ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

لیکن یہ مخصوص لباس جسے صوفیاء کے ہر گروہ نے اپنا رکھا ہے مثلاً

پیوند زدہ کپڑے، اور اون کی چادریں اور "میوریات" (مخصوص لباس) یہ ایسا امر ہے جس کے ذریعے وہ اپنے گزشتہ بزرگوں سے تبرک حاصل کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا انہیں نہ تو اس سے منع کیا جائیگا اور نہ حکم دیا جائیگا۔ کیونکہ اس زمانے کے اکثر لباس ایسے ہی ہیں مثلاً وہ عمامے جو فقہاء اور محدثین نے اپنا رکھے ہیں اور وہ عمامے جو فوجی اور لشکری پہنتے ہیں اور وہ لباس جنہیں عوام و خواص استعمال کرتے ہیں یہ سب مباح ہیں، ان میں سے بہت کم سنت کے مطابق ہیں ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ یہ بدعت ہیں کیونکہ بدعت، دین میں وہ فعل ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے کے خلاف ہو، یہ مختلف انداز، لباس اور عمامے عادت میں نئے ہیں دین میں نئے نہیں ہیں اور یہ سنت کے مخالف بھی نہیں ہیں، کیونکہ فقہاء کی تعریف کے مطابق سنت ہر وہ فعل ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بطور عبادت کیا ہو نہ بطریق عادت، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمامہ اور دوسرے مخصوص کپڑے عادۃً زیب تن فرماتے تھے نہ کہ بطریق عبادت، کپڑے پہننے سے مقصود ستر پوشی اور سردی گرمی کی اذیت کو دور کرنا ہے اس لئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اون اور روئی وغیرہ کے عام اور بہترین کپڑے پہننا ثابت ہے لہٰذا لباس کی مخالفت سنت کی مخالفت نہیں ہے۔ اگرچہ ہر چیز میں اتباع نبوی افضل اور مستحب ہے۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین آمین

---

[۱] عورتوں کے لئے تنگ لباس اور مردوں کے لئے چست پتلون پہننا ناجائز ہے جس سے ایک ایک عضو کا حجم ظاہر ہو کیونکہ جس عضو کی طرف پردے کے بغیر دیکھنا منع ہے اس کی طرف ایسے پردے کے ہوتے ہوئے دیکھنا بھی ممنوع ہے جس سے اعضاء کا حجم نمایاں ہو ملاحظہ ہو در مختار و رد المحتار وغیرہ کتب فقہیہ ۱۲ اشرف قادری



كشف النور
عن
اصحاب القبور

للامام العلامة العارف باللّٰه ناصح الامة قدوة المحققين
سیدی عبدالغنی آفندی النابلسی رضی اللّٰه تعالیٰ عنہ
(م ۱۱۴۳ھ)

مکتبہ قادریہ

جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری منڈی لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده ، والصلوة والسلام على من لا نبي بعده ؛ يقول الحقير عبدالغنى ابن اسماعيل النابلسى الحنفى : هذه رسالة كتبتها فى ظهور كرامات الاولياء بعد موتهم وحكم رفع البناء عليهم وتعليق الستور الى غير ذلك وسميتها «كشف النور عن اصحاب القبور» . واسأل الله تعالى أن يلهمنى ما هو الحق والصواب وأن يوفق إخوانى المسلمين إلى الإنصاف عند ظهور الحق والاعتراف ، والله على كل شيء قدير وبالإجابة جدير .

اعلموا إخوانى فى رضاعة ثدى الإسلام أن الكرامات التى أكرم الله تعالى بها اولياءه المقربين الى حضرته أمور خارقة لعادة الله تعالى فى خلقه، يخلقها الله تعالى بمحض قدرته وارادته لا مدخل لقدرة الولى المخلوقة فيه ولا لارادته المخلوقة فيه أيضاً على التأثير فيها البتة وإنما قدرة الولى وارادته المخلوقتان فيه سبب لخلق الله تعالى تلك الكرامات على يديه ونسبتها اليه ، وكل من اعتقد ان الولى له تأثير فى شيء من ذلك فهو كافر بالله تعالى على ما عرف فى علم التوحيد .

وحقيقة أمر الولى فى خلق الله تعالى الكرامات على يديه انه متحقق بوحدانية الله تعالى فى التاثير . وانه لا تاثير له عند نفسه البتة حتى ان حركات نفسه التى هى القوى الروحانية المتشعبة فى البدن وهى القوة الباصرة والقوة السامعة والقوة الذائقة والقوة اللامسة والقوة الشامة والقوة العقلية الباطنية المتفكرة المتخيلة والحافظة . وكذلك الحركات الظاهرة فى جميع الاعضاء والاعصاب ونحو ذلك ، فانها مخلوقة فيه لله تعالى . وهو مشاهد لجميع ذلك فى نفسه ومتحقق به فى كل وقت إلا إذا سلط الله عليه الغفلة فى بعض الاحيان فيكون فى ذلك الوقت ليس بولى الله تعالى إلا بحسب ما مضى كالمؤمن النائم فانه مؤمن بسبب

حكم ما مضى في اليقظة من الإيمان وهذه الحالة هي أدنى أحوال الأوليا وأدنى شهود من شهوداتهم . وربما سموا شيئاً من ذلك في طريقهم موتاً اختيارياً اخذا من إشارة قوله تعالى ﴿ انك ميت وانهم ميتون ﴾ ومعنى اشارة الآية على عدم الفرق بين ميت بالسكون والتشديد كما ذكره الجوهري في الصحاح : انك يا محمد وإن ظهر التأثير منك ومنهم في الباطن والظاهر بحسب الإدراك والافعال ميت وهم ميتون لأن حياتك مخلوقة كحياتهم وهي عرض يخلق الله تعالى الادراك باطنا والافعال والاقوال ظاهراً عندها لابها ، فهي سبب لخلق ذلك من الله تعالى فهي موت في حقيقة الأمر فيك وفيهم جميعا . وهذا الموت الاختياري شرط في مقام الولاية حتى إذا لم يتحقق به الولي في نفسه فليس بولي واليه الاشارة بقوله عليه السلام : «من عرف نفسه فقد عرف ربه» يعني من عرف نفسه ، انها كناية عن قوى باطنية وظاهرية منبعثة من العدم بسطوة قدرة غيره عرف ربه . والرب هو المالك يعني عرف مالك امره الباطن والظاهر وهو الله تعالى فيعرفه من حيث انه الخالق لتلك القوى والمصرف لها فيما يشاء تعالى ويختاره ويعلم ان نفسه في يد الله تعالى يتصرف فيها كيف يشاء كما كان يقسم النبي ﷺ بقوله : «والذي نفسي بيده» أي وحق الذي جميع قواي الباطنية والظاهرية في تصرفه وحده لا مدخل لي في ذلك البتة . ومن هنا يفهم قول النبي عليه السلام في حديث التقرب بالنوافل : «كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به» ... الى آخره فيظهر لذلك المتقرب بالنوافل الفاعل المتصرف في قواه كلها وتبقى القوى عنده اعراضاً زائلة كما هي في حقيقة الأمر فيكون الحق كناية عنها بعد زوالها من نظر ذلك المتقرب . وليس هذا كله إلا بعد حصول الموت الاختياري له .

وإذا كان كذلك فالولاية مشروطة عند العارفين بادراك الموت والتحقق به ، والكرامات للاولياء مشروطة حينئذ عندهم بوجود الموت لا بفقده فكيف يزعم عاقل ان الموت ينافي الكرامات ؟ والكرامات مشروطة به . ولو لم يتحقق به الانسان في نفسه فليس بعارف ولا ولي . وانما هو عامي من عوام المؤمنين غافل محجوب . وذلك لان الولي هو الانسان الذي يتولى الله تعالى جميع اموره الباطنية والظاهرية كما ذكرنا . وأما غيره فنفسه هي التي تتولى امرها بسبب

الغفلة والحجاب عن المتولي في الحقيقة لجميع الأمور وهو الله تعالى لأنه تعالى متولي أمر المؤمن والكافر والغافل والمستيقظ ، ولكن قال تعالى : ﴿ قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون إنما يتذكر اولوالالباب ﴾ . أي إنما يعلم ذلك ، وهو عدم الفرق بينهما اصحاب البصائر .

ومما يدل على ثبوت الكرامة بعد الموت من أقوال الفقهاء قولهم بكراهة الوطىء على القبور . قال في مختصر محيط السرخسي للامام الحجازي : وكره أبو حنيفة رحمه الله تعالى ان يطأ على قبر أو يجلس أوينام عليه او يبول او يتغوط لما فيه من الإهانة . وفي جامع الفتاوى لقارئ الهداية : وسئل بعض الفضلاء عن وطىء القبور فقال : يكره . قيل : هل يكره على انه تارك للاولى . فقال : لا بل يأثم لانه عليه السلام قال : لأن أضع قدمي على جمر أحب إلى من وطىء القبر . قيل : التابوت والتراب الذي فوقه بمنزلة السقف . فقال : وان كان له بمنزلة السقف لكن حق الميت باق فلا يجوز . أن يوطأ . وسئل الخجندي عن رجل لو كان قبر والديه بين القبور هل يجوز له ان يمر بين قبور المسلمين بالدعاء والتسبيح وقراءة القرآن ويزور قبرهما ؟ فقال : له ذلك ان امكنه من غير وطىء القبور انتهى . وفي فتح القدير : ويكره الجلوس على القبر ووطئه . وحينئذ فما يصنعه الناس ممن دفنت أقاربه ثم دفنت حواليهم خلق ، من وطىء تلك القبور الى ان يصل الى قبر أبيه مكروه ويكره النوم عند القبر وقضاء الحاجة بل اولى وكل ما لم يعهد من السنة ، والمعهود منها ليس إلا زيارتها والدعاء عندها قائماً كما كان يفعل ﷺ في الخروج الى البقيع ويقول : «السلام عليكم دار قوم مؤمنين وإنا إن شاء الله بكم لاحقون اسأل الله لي ولكم العافية» . انتهى كلامه . وحيث صح هذا وثبت في كتب الفقه فنقول : لم يكره الوطىء على القبر والجلوس عليه إلا لكرامة الموتى بعد موتهم . وهذه الكرامة ثابتة في الشرع . وهي امر خارق للعادة في الخلق ، فان العادة جارية ان الانسان يباح له ان يمشي على الأرض وأن يجلس عليها وأن يطىء برجله ابعاض الحيوانات كلها إلا موتى أهل الايمان ، فقد خولفت العادة في حقهم فكره ذلك كله كراهة تحريم ،

لانها المحمل عند الاطلاق . وإنما كان ذلك تكريماً لهم بعد موتهم ، وهم من عوام المؤمنين . فكيف الحال مع خواصهم وهم اهل الولايه المقربون الى الله تعالى . فقد ثبتت الكرامة بعد الموت على لسان الشرع .

وايضاً ثبوت ان النبي ﷺ كان يزور القبور فى البقيع ويدعو عندها قائما دليل على ثبوت الكرامات بعد الموت لان النبي ﷺ لو لم يكن يعلم ان الدعاء عند قبور المؤمنين مستجاب لخصوصية فى المكان بسبب الموتى المدفونين فيه لما دعا عند قبورهم بقوله عليه السلام : «اسأل الله لى ولكم العافية» واستجابة الدعاء ببركة قبور المؤمنين التى تنزل عليها الرحمة من جملة الكرامات للمؤمنين بعد الموت . وذلك فى حق قبور عوام المؤمنين فكيف قبور خواصهم من أهل التوحيد الكامل اليقين من المقربين إلى الله تعالى . وفى ذلك ثبوت الكرامة بعد الموت أيضاً .

ومن الدليل على ثبوتها بعد الموت ايضاً حكم الشرع بوجوب تغسيل الميت المسلم ووجوب تكفينه ودفنه تكريماً له . وهى كرامة اثبتها الشرع للمؤمنين بعد الموت خارقة للعادة فى حق موتى سائر بنى آدم من الكافرين وجميع الحيوانات التى جرت العادة الشرعية بعدم تغسيلها .

ومن الدليل على ذلك ايضاً ما قاله صاحب النهاية فى شرح الهداية : ان الميت ينجس بالموت وان التغسيل واجب لازالة نجاسة تثبت بالموت كرامة للآدمى بخلاف سائر الحيوانات . وفى جامع الفتاوى: يغسل لتنجسه بالموت كسائر الحيوانات الدموية الا انه يطهر بالغسل كرامة له . وقيل : لا ينجس لانه مؤمن بل الغسل لاجل انه على غير وضوء انتهى . وهذا يدل على ثبوت الكرامة للمؤمن بعد موته ايضاً .

وذكر فى جامع الفتاوى : ان البناء على القبر لا يكره إذا كان الميت من المشايخ والعلماء والسادات . وذكر فيه ايضاً انه ينبغى أن يكون غاسل الميت على طهارة ويكره أن يكون حائضاً أوجنباً انتهى . وهذا مما هو صريح فى ثبوت الكرامة للمؤمن بعد الموت ايضاً بل الكرامات كلها لا تكون للمؤمن إلا بعد الموت . وأما فى الحياة الدنيا فلا كرامة له فى الحقيقة إلا مجازاً لانه يكون فى دار الجوار

لاعداء الله تعالى دار يكفر فيها بالله تعالى وهذا لا يشك فيه عاقل البتة . وفى عمدة الاعتقاد للامام النسفى رحمه الله تعالى : وكل مؤمن بعد موته مؤمن حقيقة كما فى حال نومه وكذا الرسل والأنبياء عليهم السلام بعد وفاتهم رسل وانبياء حقيقة لان المتصف بالنبوة والإيمان الروح وهو لا يتغير بالموت انتهى .

وربما نقول : مراده بالمؤمن المؤمن الكامل وهو الولى ، والإيمان وهو الايمان الكامل وهو الولاية وهى باقية بعد الموت لان المتصف بها الروح والروح لا يتغير بالموت . او المراد مطلق المؤمن ومطلق الايمان فيكون المؤمن الكامل والايمان الكامل مفهوماً بالطريق الاولى بحسب ما ذكرنا لا سيما وقد قال تعالى فى حق أهل الجنة : ﴿لا يذوقون فيها الموت الا الموتة الاولى﴾ ونحن نتكلم على إشارة هذه الآية ولا نتبع عبارتها كما هو دأب اهل الله تعالى فنقول فيما نحن بصدده العارفون بربهم لهم موتتان موتة فى نفوسهم وموتة فى أبدانهم . والمعتبر عندهم النفوس دون الابدان لان الابدان مساكن النفوس والعبرة بالساكن لا بالدار والسر فى السكان لا فى الديار . فاذا جاهدوا انفسهم المجاهدة الشرعية باطناً وظاهراً وسلكوا طريق الاستقامة ماتت نفوسهم فتحققوا بالحق لما ذاقوا الموت وبقيت أرواحهم مدبرة لأجسامهم فى الدنيا بغير واسطة النفوس فكانوا ملائكة فى صورة البشر ، لأن الملائكة أرواح مجردة وهم بعد موت نفوسهم ارواح مجردة ايضاً ، كما كان ينزل جبريل عليه السلام الى صورة دحية الكلبى رضى الله تعالى عنه ويأتى الى النبى ﷺ فعند ذلك اذا انقطعت علاقة أرواحهم من تدبير أبدانهم كانوا بمنزلة جبريل عليه السلام اذا عاد الى عالم تجرده وفارق الصورة البشرية . ولا يسمى هذا موتاً حقيقياً فى حقهم بل يسمى انتقالاً من عالم الى عالم آخر وتقلباً فى الأطوار . ولهذا قال تعالى عنهم ﴿لا يذوقون فيها الموت الا الموتة الاولى﴾ وهذه اشارة الآية الكريمة التى لا تنحصر معانيها وعباراتها ولا تنفد حكمها واسرارها واشاراتها . وإذا كان الأمر كذلك فكيف يتوهم عاقل ان الله تعالى يقطع تكريمه عن هذا الولى الذى كملت ولايته بموته الطبيعى والتحاقه بعالم المجردات حتى صار مع الملائكة فى فضاء الأزل والملكوت كما كان يقول النبى ﷺ عند موته : «اللهم الرفيق الأعلى».

هذا وقد ورد فى كتاب المحققين من أهل الله تعالى كثير من الحكايات والأخبار المفصحة عن وقوع الكرامات للأولياء بعد الموت وتداولته الثقات مما لا يسعنا انكاره. فمن ذلك ما ذكره قدوتنا الى الله تعالى المجتهد الكامل والعالم العامل الشيخ محى الدين ابن العربى قدس الله سره فى كتابه «روح القدس فى مناصحة النفس» فى ترجمة ابى عبدالله ابن زين اليابرى بالياء المثناة التحتانية وضم الباء الموحدة التحتانية الإشبيلى. كان من اهل الله تعالى انه قرأ ليلة" تأليف ابى القاسم ابن حمدين فى الرد على أبى حامد الغزالى فعمى فسجد لله تعالى من حينه وتضرع وأقسم انه لا يقرأه أبداً ويذهبه ؛ فرد الله تعالى عليه بصره انتهى . وهى كرامة صدرت لأبى حامد الغزالى رضى الله عنه بعد موته على يد هذا الانسان . وذكر الجلال السيوطى رحمه الله تعالى فى كتاب له فى ذكر الموت سماه «بشرى الكئيب بلقاء الحبيب» قال : أخرج الحافظ أبو القاسم اللالكائى فى السنة بسند عن محمد بن نصر الصائغ قال : كان أبى مولعاً بالصلاة على الجنائز . فقال : يا بنى حضرت يوماً جنازة ، فلما دفنوها نزل الى القبر نفسان ثم خرج واحد وبقى الآخر وحثى الناس التراب . فقلت : يا قوم يدفن حى مع ميت ؟ فقالوا ما ثم احد فقلت: لعله شبه لى . ثم رجعت فقلت : ما رأيت الا اثنين خرج واحد وبقى الآخر لا أبرح حتى يكشفه الله ما رأيت فقرأت عشر مرات يس وتبارك وبكيت وقلت : يا رب اكشف لى عما رأيت فانى خائف على عقلى ودينى . فانشق القبر فخرج منه شخص فولى مبادراً . فقلت : يا هذا بمعبودك الا وقفت حتى اسألك فما التفت . فقلت الثانية والثالثة فالتفت وقال : أنت نصر الصائغ . فقلت : نعم . قال : ما تعرفنى ؟ قلت : لا . قال : نحن ملكان من ملائكة الرحمان موكلان بأهل السنة إذا وضعوا فى قبورهم ، نزلنا حتى نلقنهم الحجة . وغاب عنى .

وحكى اليافعى فى روض الرياحين عن بعض الأولياء . قال : سألت الله تعالى أن يرينى مقامات أهل القبور . فرأيت ليلة من الليالى القبور قد انشقت واذا منهم النائم على السرير ومنهم النائم على الحرير والديباج ومنهم النائم على الريحان ومنهم النائم على السرر ومنهم الباكى ومنهم الضاحك فقلت : يا رب لو شئت ساويت بينهم فى الكرامة . فنادى مناد من أهل القبور : يا فلان هذه أمثال الأعمال .

اما أصحاب السندس فهم اصحاب الخلق الحسن ، وأما أصحاب الحرير والديباج فهم الشهداء ، وأما اصحاب الريحان فهم الصالحون ، وأما اصحاب السرر فهم المتحابون فى الله ، وأما اصحاب البكاء فهم المذنبون ، وأما أصحاب الضحك فهم أهل التوبة .

قال اليافعى : رؤية الميت فى خير أو شر نوع من الكشف يظهر الله تبشيراً وموعظة او مصلحة للميت أو اسداء خير او قضاء دين أو غير ذلك . ثم هذه الرؤية قد تكون فى النوم وهو الغالب وقد تكون فى اليقظة وذلك من الكرامات الأولياء أصحاب الأحوال . وقال فى كفاية المعتقد : أخبرنا بعض الأخيار عن بعض الصالحين أنه كان يأتى قبر والده فى بعض الأوقات ويتحدث معه .

وأخرج اللالكائى فى السنة عن يحيى بن معين قال: قال لى حفار أعجب ما رأينا من هذه المقابر انى سمعت من قبر والمؤذن يؤذن وهو يجيبه من القبر .

وأخرج ابو نعيم فى الحلية عن سعيد بن جبير قال : انا والله الذى لا إله إلا هو أدخلت ثابت البنانى فى لحده ومعى حميد الطويل . فلما ساوينا عليه اللبن سقطت لبنة فاذا انا به يصلى فى قبره . وكان يقول : اللهم ان كنت اعطيت احداً من خلقك الصلاة فى قبره فأعطنيها فما كان الله ليرد دعائه .

وأخرج الترمذى وحسنه والحاكم والبيهقى عن ابن عباس قال ضرب بعض أصحاب النبى ﷺ خباءه على قبر وهو لا يحسب أنه قبر فاذا فيه إنسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها . فأتى النبى ﷺ فأخبره فقال النبى ﷺ : هى المانعة هى المنجية تنجيه من عذاب القبر . قال ابو القاسم السعدى فى كتاب الافصاح : هذا تصديق من رسول الله ﷺ بان الميت يقرأ فى قبره . فان عبدالله أخبره بذلك وصدقه رسول الله ﷺ . وأخرج ابن مندة عن طلحة عن عبيد الله قال اردت ما لى بالغابة فادركنى الليل فأويت الى قبر عبدالله بن عمرو بن حزام فسمعت قراءة من القبر فما سمعت أحسن منها فجئت الى رسول الله ﷺ فذكرت ذلك له . فقال: ذلك عبدالله ألم تعلم ان الله قبض

أرواحهم فجعلها فى قناديل من زرجد وياقوت ثم علقها وسط الجنة . فاذا كان الليل ردت اليهم ارواحهم فلا تزال كذلك حتى اذا طلع الفجر ردت ارواحهم الى مكانها الذى كانت فيه .

وأخرج أبو نعيم فى الحلية عن ابراهيم ان المهلبى قال حدثنى الذين كانوا يمرون بالمصر فى الاسحار قالوا : كنا اذا مررنا بجنبات قبر ثابت البنانى سمعنا قرأة القرآن .

وأخرج ابن مندة عن سلمة بن شبيب . قال سمعت ابا حماد الحفار . وكان ثقة ورعاً . قال : دخلت يوم الجمعة المقبرة نصف النهار ، فما مررت بقبر إلا سمعت منه قرأة القرآن . وأخرج ابن مندة عن عاصم السقطى قال : حفرنا قبراً ببلخ فنفذ فى قبر فنظرت فاذا بشيخ فى القبر متوجه الى القبلة وعليه إزار أخضر واخضر ماحوله وفى حجره مصحف يقرأ فيه . واخرج ابن مندة عن ابى النصر النيسابورى الحفار . وكان صالحاً ورعاً قال : حفرت قبراً فانفتح فى القبر قبر آخر ، فنظرت ، فاذا أنا بشاب حسن الوجه حسن الثياب طيب الريح جالساً متربعاً وفى حجره كتاب مكتوب بخضرة أحسن ما رأيت من الخطوط وهو يقرأ القرآن فنظر الشاب إلى وقال : أقامت القيامة ؟ قلت : لا . فقال : اعد المدرة الى موضعها فاعدتها إلى موضعها .

ونقل السهيلى فى دلائل النبوة عن بعض الصحابة رضى الله عنهم انه حفر فى مكان فانفتحت طاقة . فاذا شخص على سرير وبين يديه مصحف يقرأ فيه وامامه روضة خضراء وذلك بأحد ، وعلم انه من الشهداء لأنه رأى فى صفحة وجهه جرحاً . وأورد ذلك ايضاً أبو حيان فى تفسيره . وحكى اليافعى فى روض الرياحين عن بعض الصالحين قال : حفرت لرجل من العباد قبراً وألحدته فيه فبينما أنا أسوى اللحداذ سقطت لبنة من لحد يلية فنظرت فاذا شيخ جالس فى القبر عليه ثياب بيض تقعقع وفى حجره مصحف من ذهب مكتوب بالذهب وهو يقرأ فيه فرفع رأسه إلى وقال : أقامت القيامة ؟ رحمك الله . قلت : لا . فقال رد اللبنة الى موضعها رعاك الله . فرددتها . وقال اليافعى ايضاً : روينا عمن حفر القبور من الثقاة انه حفر قبراً

فاشرف فيه على انسان جالس على سرير وبيده مصحف يقرأ فيه وتحته نهر يجرى فغشى عليه وأخرج من القبر ولم يدروا ما أصابه فلم يفق إلا فى اليوم الثالث .

واخرج سعيد بن منصور عن عدية بنت أهبان بن صفى الغفارى صاحب رسول الله ﷺ قالت : أوصانا أبى ان نكفنه فى قميص قالت : فلما أصبحنا من الغد من يوم دفنا . اذا نحن بالقميص الذى دفناه فيه عندنا .

واخرج ابن ابى الدنيا فى كتاب المنامات بسند لا بأس به من مرسل راشد بن سعد ان رجلا توفيت امرأته ، فرأى نساءً فى المنام ولم ير امرأته معهن ، فسألهن عنها . فقلن : انكم قصرتم فى كفنها فهى تستحى تخرج معنا . فأتى الرجل الى النبى ﷺ وأخبره . فقال النبى ﷺ : انظر هل الى بقية من سبيل . فأتى رجلاً من الأنصار قد حضرته الوفاة فأخبره فقال الانصارى : ان كان احد يبلغ الموتى بلغته . فتوفى الانصارى فجاء بثوبين مشردين بالزعفران . فجعلهما فى كفن الانصارى . فلما كان الليل أتى النسوة ومعهن امرأته ، وعليها الثوبان الأصفران انتهى .

وذكر الشيخ الشعراوى رحمه الله تعالى فى كتابه وطبقات الأخيار» فى ترجمة الشيخ أحمد البدوى ان سيدى عبدالعزيز الديرينى رضى الله عنه كان «اذا سئل عن سيدى أحمد البدوى قال : هو بحر لا يدرك له قرار واخباره ومجيئه بالاسرى من بلاد الفرنج وإغاثة الناس فى قطاع الطريق وحيلولته بينهم وبين من استنجد به لا تحويليها الدفاتر رضى الله تعالى عنه . قلت : وقد شاهدت انا بعينى سنة خمس واربعين وتسعمائة اسيرا على منارة سيدى عبدالعال مقيداً مغلولاً وهو مخبط العقل . فسألته عن ذلك . فقال : بينما انا فى بلاد الفرنج آخر الليل توجهت الى سيدى أحمد فاذا أنا به فأخذنى وطار بى فى الهواء فوضعنى هنا . فمكث يومين وراسه دائرة عليه شدة من الخطفة انتهى . وهذا كله ، صريح بثبوت الكرامات بعد الموت وهو أمر حق فى نفسه لايشك فيه إلا كل ناقص الايمان منطمس البصيرة مطرود عن باب فضل الله تعالى متعصب على أهل الله تعالى أو قعه الله تعالى فى ورطة الإنكار على أوليائه تعالى وقد اهانه الله تعالى وغضب عليه والقاه

الى الشيطان يتلاعب به ليبغض من يحبهم الله تعالى فيعرضه للاستخفاف بهم وبكراماتهم واهانة قبورهم واحتقارها مع أن المعلوم عند من قرأ فى علم العقائد والتوحيد ان الارواح لها اتصال بالأجساد بعد الموت كاتصال شعاع الشمس بالأرض والروح فى مقرها فيجب احترام قبور المؤمنين البتة لهذا المعنى حتى قال الجلال السيوطى رحمه الله تعالى فى كتابه «بشرى الكئيب بلقاء الحبيب» . قال اليافعى : مذهب أهل السنة أن ارواح الموتى تردّ فى بعض الأوقات من عليين او من سجين إلى أجسادهم فى قبورهم عند إرادة الله وخصوصاً ليلة الجمعة ويجلسون ويتحدثون وتنعم أهل النعيم وتعذّب أهل العذاب . قال : ويختص الأرواح دون الأجسام بالنعيم والعذاب مادام فى عليين أو سجين وفى القبر يشترك الروح والجسد انتهى .

ومما يدلّ على اتصال الأرواح بالأجسام فى القبور بعد الموت ما نقله فى بحر الكلام للإمام النسفى رحمه الله تعالى من قوله فى عذاب القبر . فان قيل : كيف يوجع اللحم فى القبر ولم يكن فيه الروح؟ فالجواب : سئل النبى ﷺ انه قيل له : كيف يوجع اللحم فى القبر ولم يكن فيه الروح : فقال عليه الصلاة والسلام : كما يوجع سنك وإن لم يكن فيه الروح؟ الا ترى ان النبى ﷺ أخبر أنّ السنّ يتوجع لما انه متصل باللحم ، وإن لم يكن فيه الروح . فكذلك بعد الموت لما كان روحه متصلاً بجسده فيتوجع انتهى وهذا صريح فى أن روحانيات الموتى متصلة بأجسامهم التى فى قبورهم وإن بليت أجسامهم وصارت تراباً . ولهذا جاء الشرع باحترام قبورهم كما ذكرناه فيما تقدم . فكيف لا ينبغى للمؤمنين احترام قبورهم وتعظيمها وزيارتها والتبرك بها وهم يعلمون ان الروحانيات الكاملة الفاضلة متصلة بتلك الأجساد الطيبة الطاهرة كما هو مقتضى الاخبار النبوية وان صارت ترابا . ولا ارى المنكر لذلك إلاّ جاهلاً يعتقد من جهله أن الأرواح أعراض تزول بالموت كما تزول الحركة عن الميت ، طبق ما هو مذهب بعض الفرق الضالة ، حتى أنهم يزعمون ان الأولياء إذا ماتوا صاروا تراباً والتحقوا بتراب الأرض وذهبت روحانياتهم ، فلا حرمة لقبورهم . ولهذا يهينونها ويحتقرونها وينكرون على من زارها وتبرك بها حتى انى سمعت باذنى رجلاً يقول يوماً وانا أسمع و كنت

ذاهباً الى زيارة قبر الشيخ ارسلان الدمشقى رضى الله عنه : كيف تزورون تراباً ؟ ما هذا إلاّ قلة عقل ! فتعجبت من ذلك غاية العجب ، وقلت فى نفسى : ما هذا قول من يدعى الاسلام ، ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم .

وقد ورد فى الحديث وان القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النيران ولا معنى لذلك إلاّ أن روحانيات الموتى إمّا تنعم فى قبورهم أو تعذّب فيها . وذلك باتصال الروحانيات بالأجساد البالية التى خرجت من الدنيا وهى طاهرة بالإيمان والطاعات أو قذرة بالكفر والمخالفات . فحينئذ قبور المؤمنين محترمة متبجلة معظمة كما كانوا قبل ذلك ، وهم أحياء محترمون متبجلون . فانّ من احتقر عالما أو بغضه خيف عليه الكفر ، كما صرّح بذلك الفقهاء .

ولا فرق بين الأحياء فى ذلك والأموات . أرأيت أن الاحياء والأموات كلهم مخلوقات الله تعالى لا تأثير لأحد منهم فى شىء من الأشياء البتة . وانما المؤثر هو الله تعالى وحده على كل حال والأحياء والاموات سواء فى عدم التأثير قطعاً من غير شبهة ولكن الاحترام واجب فى حق الجميع . قال تعالى (ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب) وشعائر الله هى الأشياء التى تشعر اى تعلم به تعالى كالعلماء والصالحين أحياء واموتاً ونحوهم .

ومن تعظيمهم بناء القباب على قبورهم وعمل التوابيت لهم من الخشب حتى لا تحتقرهم العامة من الناس وإن كان ذلك بدعة فهى بدعة حسنة ، كما قال الفقهاء فى تكبير العمائم وتوسيع الثياب للعلماء ، انه جائز حتى لا تستخف بهم العامة ويحترمونهم . وإن كان ذلك بدعة لم يكن عليها السلف حتى قال فى جامع الفتاوى فى البناء على القبر: وقيل لا يكره إذا كان الميت من المشايخ والعلماء والسادات . وفى المضمرات : وكان الشيخ ابوبكر محمد بن الفضل يقول : لا بأس باستعمال الأجر فى ديارنا وكان يجوز استعمال رفوف الخشب . وذكر الامام التمرتاشى : هذا إذا كان حول الميت وأما إذا كان فوقه فلا يكره لأنّه عصمة من السباع وهذا كما اعتادوا التسنيم باللبن صيانة عن النبش . ورأوا ذلك حسناً. وفى تنور الأبصار : ولا يرفع عليه بناء . وقيل : لا بأس به . وهو المختار وفى شرح الكنز

للزيلعي. وقيل: لا بأس بالكتابة ووضع الحجر ليكون علامة لما روى انه عليه السلام وضع حجراً على قبر عثمان بن مظعون انتهى .

واما وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين والأولياء فقد كرهه الفقهاء حتى قال فى فتاوى الحجة : وتكره الستور على القبور انتهى . ولكن نحن الآن نقول ان كان القصد بذلك التعظيم فى أعين العامة حتى لا يحتقروا صاحب هذا القبر الذى وضعت عليه الثياب والعمائم ولجلب الخشوع والأدب لقلوب الغافلين الزائرين لأن قلوبهم نافرة عن الحضور والتأدب بين يدى اولياء الله تعالى المدفونين فى تلك القبور، كما ذكرنا من حضور روحانياتهم المباركة عند قبورهم، فهو امر جائز لا ينبغى النهى عنه لأن الأعمال بالنيات ، ولكل إمرىء ما نوى ، فانه ، وإن كان بدعة على خلاف ما كان عليه السلف . ولكن من قبيل قول الفقهاء فى كتاب الحج : انه بعد طواف الوداع يرجع القهقرى حتى يخرج من المسجد لان فى ذلك إجلال البيت وتعظيمه ، حتى قال فى منهج السالك : وما يفعله الناس من الرجوع القهقرى بعد الوداع فليس فيه سنة مروية ولا أثر محكى وقد فعل أصحابنا انتهى . وهذا تعظيم للبيت الحرام مع أنه جماد والأولياء أفضل منه من غير شبهة لأنهم مكلفون بخدمة الله تعالى دون الكعبة لأن عبادتها بلا تكليف . وإن كانوا أمواتاً فالميت كالجماد والاحترام لازم فى حق الجميع . وكسوة الكعبة أمر مشروع حتى ذكروا انه يجوز ستر الكعبة بالحرير و قبورالصالحين والأولياء وان لم تكن كعبة ولا كالكعبة من جهة الاحكام ولكنها محترمة لأن الكعبة انما امرنا بالتوجه إليها والطواف بها وتعظيمها واحترامها مع أنها جماد ابتلاء من الله تعالى تكليفاً لنا والأفهى أحجار. وكل من كان سجوده لها نفسها كان عابد اصنام فيكفر بالله تعالى ولهذا ورد أن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال حين قبل الحجر فى طوافه : انى أعلم انك حجر لا تضر ولا تنفع ، ولولا إنى رأيت رسول الله ﷺ فعل ذلك ما فعلته . قالوا سبب ذلك انه تذكر وضع الجاهلية الاصنام حول البيت وسجودهم لها فخشى ان يظن احد ان تقبيل الحجر يشبه نوعاً من الجاهلية فقال ما قال رضى الله عنه : وما سمعنا أحداً من العامة ولا

غيرهم يعتقد ان قبور الصالحين كعبة يصح الطواف بها أو تصح الصلاة اليها حتى نخاف عليهم من ذلك . وأنما العامة جميعهم يعلمون ان القبلة هى الكعبة وحدها . وانها فى مكة ولكنهم يبالغون فى التعظيم والاحترام لتلك القبور لانها قبور أولياء الله تعالى وقبور احبائه تعالى وأهل صفوته . هذا مقدار مانعلم من أحوالهم والمؤمن لا يظن بالمؤمنين إلا خيراً .

وقد ورد فى الحديث كما اخرجه الأسيوطى رحمه الله تعالى فى الجامع الصغير قال قال رسول الله ﷺ : حسن الظن من حسن العبادة وقال تعالى : (ياأيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن ان بعض الظن أثم ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بعضاً) الآية . ويجب الحمل على الكمال فى حق عامة المؤمنين كما كان يعاملهم النبى ﷺ مع علمه باطلاع الله تعالى له ان منهم المنافقين الذين كانوا يبطنون الكفر والجحود ويظهرون الايمان . ومع ذلك كان يعامل الجميع معاملة اهل الايمان لانه جاء يحكم بالظاهر والله يتولى السرائر كما قال عليه الصلاة والسلام،أمرت ان اقاتل الناس حتى يشهدوا ان لااله الاالله وانى رسول الله ، فاذا قالوها فقد عصموا منى دماءهم وأموالهم إلا بحقها وحسابهم على الله . ولا ينبغى لمسلم ان ينكر كل ما يراه حدث ولم يكن فى العصر الأول ما لم يطلع على قباحته وان فاعله فعله على وجه يخالف ما هو مقصود الدين المحمدى . أورأيت ان رسول الله ﷺ يقول : من سن سنة حسنة كان له ، ثوابها وثواب من عمل بها الى يوم القيامة . فقد سمى ما تحدثه الأمة بعده مما هو غير مخالف لمقصود شرعه سنة مع انه لم يكن له وجود فى زمنه ﷺ . فالبدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع تسمى سنة على هذا ، تسمية وردت على لسان الشارع ﷺ .

ومن هذا القبيل ما ذكره الفقهاء فى مبحث زيارة النبى ﷺ من قولهم وما يفعله بعض الناس من النزول بالقرب من المدينه والمشى الى ان يدخلها حين . وكل ما كان ادخل فى الأدب والاجلال كان حسنا كما ذكره والدى رحمه الله تعالى فى حاشيته على شرح الدرر فى كتاب الحج .

ويقاس على هذا إيقاد القناديل والشمع عند قبور الأولياء والصالحين وهو أيضاً من باب التعظيم والإجلال للاولياء . فالمقصد فيها مقصد حسن لا سيما ان كان لذلك الولى فقراء يخدمونه ، يحتاجون الى ايقاد المصباح ليلاً لقراءة قرآن أو تسبيح أو تهجد وإن كره الفقهاء الصلاة عند القبور ولكن محله فى غير الموضع المعد لذلك ، المتباعد عن القبر . وقد قال والدى رحمه الله تعالى فى حاشيته على شرح الدرر : وتكره الصلاة فى المقبرة لأنه يشبه اليهود . فان كان فيها موضع أعد للصلاة ليس فيه قبر ولا نجاسة . فلا بأس به كما فى الخانية وفى الحاوى . فان كانت القبور وراء المصلى لا يكره وإن كان بينه وبين القبر مقدار مالو كان فى الصلاة ومر انسان لا يكره فههنا أيضاً لا يكره انتهى .

واما وضع اليدين على القبور والتماس البركة من مواضع روحانيات الأولياء فهو أمر لا بأس به ايضاً . قال فى جامع الفتاوى . وقيل : لا يعرف وضع اليد على المقابر سنة ولا مستحبا ولا نرى به بأساً انتهى . والأعمال بالنيات فان كان مقصده خيراً كان خيرا . والله يتولى السرائر .

واما نذر الزيت والشمع للأوليا يوقد عند قبورهم تعظيمالهم ومحبة فيهم فهو جائز فى الجملة . أرأيت ان الفقهاء قالوا فى وقف الذمى الزيت على سراج بيت المقدس : انه صحيح لكونه قربة عندنا وعندهم. وفى كتاب أوقاف الخصاف من بحث وقف الذمى فان قال أرضى صدقة موقوفة تكون غلتها فى ثمن زيت للاسراج فى بيت المقدس . قال : هذا جائز لانه قربة عندنا وعندهم انتهى وبيت المقدس مسجد شريف فالإسراج فيه من جملة تعظيمه وكذلك قبور الصالحين والأولياء المقربين .

وكذلك نذر الدراهم والدنانير للأولياء بأن تصرف على فقرائهم المجاورين عند قبورهم أمر جائز فى نفسه لأن النذر فيه مجاز عن العطية كما قالوا فى الهبة للفقراء انه صدقة فليس له الرجوع بها وفى الصدقة على الأغنياء . انها هبة فيثبت له الرجوع فيها . فالعبرة لمقاصد الشرع دون الألفاظ ، فان النذر انما هو مخصوص بالله تعالى فاذا استعمل فى غيره كمن قال لرجل : لك على عشرة دراهم إن شفا الله مريضى ونحوه . ثم قال : نذرت لفلان كذا كان وعداً منه بذلك

وهو مجاز عن الهبة إن كان ذلك الرجل غنياً وعن الصدقة إن كان فقيراً . ورب انسان يقول لآخر من اهل الذمة الكافرين بالله تعالى إن شفا الله تعالى مريضى فلك عندى مائة درهم مثلاً . ولا يأثم فى قوله ذلك . ويكون صدقة لان الصدقة على فقراء أهل الذمه جائزة ما عدا الزكواة ، كما قرره الفقهاء فى كتبهم . فكيف يقول عاقل بحرمة قول الانسان لولى من الاولياء بعد الموت ان شفا الله مريضى فلك عندى مائة درهم ونحوه . مع أن أهل الولاية أولى فى هذا المعنى من غيرهم ، وإن كانوا أمواتاً فان القائل يعلم ان ذلك يصرف فى مصالح الخادم لذلك الولى وللفقراء المجاورين عنده فيجعل ذلك وعداً وعطية وإباحة من ذلك القائل لكل من يأخذه ، تصحيحاً لقول المؤمنين ما امكن والله ولى التوفيق .

وأما احتجاج بعض الناس على تحريم هذه الأمور بغير دليل قطعى فموجبه عدم الحياء من الله تعالى وعدم الخوف منه فان الحرام فى النهى فى مقابلة الفرض فى الأمر . وكلٌ منهما يحتاج فى ثبوته الى دليل قطعى إما اية من كتاب الله تعالى أو سنة متواترة أو اجماع معتد به أو قياس يورده المجتهد لا غيره من المقلدين لانه لا عبرة بقياس المقلدين الذين لم تتوفر فيهم شروط الاجتهاد كما هو مسطر فى كتب الأصول.

وأما قول بعض المغرورين : بأننا نخاف على العوام إذا اعتقدوا وليا من الأولياء وعظموا قبره والتمسوا البركة والمعونة منه ان يدركهم اعتقاد ان الاولياء تؤثر فى الوجود مع الله تعالى فيكفرون ويشركون بالله تعالى ، فننهاهم عن ذلك ونهدم قبور الاولياء و نرفع البنيانات الموضوعة عليها ، ونزيل الستور عنها ، ونجعل الإهانة للأولياء ظاهراً حتى تعلم العوام الجاهلون ان هؤلاء الأولياء لوكانوا مؤثرين فى الوجود مع الله تعالى لدفعوا عن أنفسهم هذه الإهانة التى نفعلها معهم . فاعلم ان هذا الصنيع كفر صريح مأخوذ من قول فرعون على ماحكاه الله تعالى لنا فى كتابه القديم بقوله تعالى : (وقال فرعون ذرونى اقتل موسى وليدع ربه انى اخاف ان يبدل دينكم اوان يظهر فى الارض الفساد) . وكذلك هؤلاء المغرورون لم يكمل ايمانهم بعد بان الله تعالى يحب أولياءه وأنه يخلق على ايديهم فى حياتهم جميع ما قدر ان يريدوه مما لم يخالف الشرع وجميع ما تريده روحانياتهم بعد موتهم

بأمره تعالى الذى روحانياتهم منه من الأمور الخارقة للعادة وكانهم لم يعلموا بعد ان الايمان حق وانه منح عند الله تعالى فقلوبهم مملوءة من ظنون و شكوك واوهام وتحيرات وزيغ. وقد عموا وصموا وختم الله تعالى على قلوبهم حتى لم يقدروا على الفرق بين الحق والباطل . ومن يضلل الله فماله من هاد ولوأنهم صدقوا فى خوفهم ذلك على عامة المسلمين لقرروا لهم أحكام العقائد والتوحيد وعلموهم البراهين والحجج القطعية من غير منازعة ولاجدال وحملوهم على الفهم فى العقائد والنظر فى الفضائل . وشدوا عليهم فى ذلك غاية التشديد ، فان العامة متى تحققوا فى نفوسهم ان الفاعل واحد على كل حال . ولا تأثير لشىء البتة تحولت خواطرهم عن اعتقاد التأثير فى غيره تعالى وعلموا ان كل ما سواه تعالى بيده تعالى ، فتن وتحيرات تسمى أسبابا يضل الله بها من يشاء ويهدى من يشاء . قال تعالى : (والله من ورائهم محيط) يعنى من وراء جميع الأشياء المحسوسات والاشياء المعقولات على معنى أنه لا يشبهها ولا تشبهه البتة . وعلى فرض ان يكون غرضهم ذلك المذكور فكيف يجوز انتهاك حرمات الله تعالى فى حق أوليائه واهل خاصته بهدم قبابهم وتحقير قبورهم فى عيون العامة وهتك ستورهم الموضوعة احتراماً لهم من أجل هذا الأمر الموهوم وهو خوف الضلال على العامة . وكيف يجوز الظن السوء فى حق العامة ولم يكن النبى ﷺ ولا أصحابه يفعلون ذلك لان الظن السوء بالمسلمين حرام محقق كما قدمناه .

وأما اعتقاد شيخ بعينه والانتماء إليه والسلوك على طريقته الخاصة فهو أمر مطلوب . فان العمل بالجوارح كما يحتاج المقلد فيه إلى سلوك مذهب مخصوص إن لم يكن مجتهداً كالحنفى يقلد أبا حنيفة والشافعى يقلد الشافعى ونحو ذلك ، كذلك سلوك الطريق إلى الله تعالى يحتاج الى تقليد شيخ مخصوص فى البداية لتتصل البركة والامداد بواسطة محبة ذلك الشيخ واعتقاده من الله تعالى الى ذلك الانسان ، كما أن الشيخ إذا كان حيا تتصل بركته بخادمه ومعتقده والمستمد منه . فكذلك الشيخ إذا كان ميتاً مدفوناً فى قبره فان المؤثر فى الحقيقة هو الله تعالى ولا فرق فى الاستمداد بين الشيخ الحى والميت بعد معرفة انهما لا يؤثران فى شىء من

الاشياء مع الله تعالى قطعاً ، فان المريد الصادق إذا صدق فى طلب المدد من الله تعالى على يد شيخ حى او ميت مما هو سبب من جملة الأسباب ، فالله تعالى لا يخيبه البتة . فان المرشد الكامل إذا كان حيا ليس فى وسعه إيصال المريد إلى الله تعالى بتاثيره . وإنما الموصل هو الله تعالى وحده ولكن المرشد سبب كما قال تعالى لمحمد ﷺ . الذى هو أعظم مرشد للامة : (إنك لا تهدى من أحببت ولكن الله يهدى من يشاء الى صراط مستقيم) . وقال له : (ليس لك من الامر شىء) .

ونقل قدوتنا الشيخ الاكبر محى الدين ابن العربى قدس الله سره : ان من جملة مشايخه الذين انتفع بهم فى طريق الله تعالى ميزاب رآه فى مدينة فاس فى حائط ينزل منه ماء السطح فانتفع به ومن مشايخه ظله الممتد من شخصه وذكر نحو ذلك فى كتابه روح القدس . وهذه الاولياء الذين فى قبورهم أليس أنهم أعلى من الميزاب والظل اللذين كان يستمد منهما الشيخ الاكبر رضى الله عنه بسبب صدقه فى طلبه . فكيف ينكر عاقل استمداد انسان من ولى ميت من أولياء الله تعالى وهو يعلم أن روحانيات الأولياء متصلة بأجسامهم فى قبورهم كما سبق بيانه . وكيف يستبعد انسان مسلم هذا الاستمداد من الأموات الذين هم أفضل من هؤلاء الأحياء الغافلين عن معرفة رب العالمين بيقين . ومع ذلك تراه إذا عرضت له حاجة إلى ظالم أو فاسق أو كافر جاء اليه متذللاً خاضعاً ويداهنه ، ويطلب منه قضاء حاجته ويستمد منه ثم يقول : فلان قضى حاجتى ونفعنى . بل إذا جاع استمدالشبع من المأكل ، وإذا عطش استمد الرى من الماء ، وإذا عرى استمد سترالعورة من الثوب ، ونحوذلك استمداداً طبيعياً مع علمه أن المأكل والماء والثوب جمادات لا روح فيها . ولو صرح بهذا الاستمداد وقال : أناأطلب الشبع من المأكل ونحوه على المعنى المجازى مع اعتقاده ان الله تعالى هو الممد الحقيقى فلاخطأ عليه ولا اثم ولاعار . وكذلك يقول هذا الغافل الدواء الفلانى مسهل والشىء الفلانى قابض والمعجون الفلانى نافع من كذا ، ولايبالى فى هذا القول ولا يظهر منه الا انتقاد والاحتراز إلا فى حق نسبة التاثير والاستمداد إلى اولياء الله تعالى الذين هم أفضل عند الله تعالى من كل دواء وكل معجون وما ذلك إلا من انطماس البصيرة والعماء عن الصواب .

ولما يحث المريد على اتخاذ الشيخ الحى مسترشدا منه او الميت مستمدا منه ما نقله الشيخ عبدالوهاب الشعراوى رحمه الله تعالى فى كتابه العهود المحمدية : ان معروفا الكرخى كان يقول لأصحابه : إذا كان لكم الى الله تعالى حاجة فاقسموا عليه بى ولا تقسموا عليه به تعالى . فقيل له فى ذلك فقال : هؤلاء لا يعرفون الله تعالى فلم يجبهم، ولو أنهم عرفوه لأجابهم. وكذلك وقع لسيدى محمد الحنفى الشاذلى انه كان يعدى من مصر إلى الروضة ماشياً على الماء هو وجماعته فكان يقول لهم : قولوا ياحنفى . وامشوا خلفى وإياكم ان تقولوا يا الله ! تغرقوا. فخالف شخص منهم وقال : يا الله فزلقت رجله فنزل الى لحيته فى الماء فالتفت اليه الشيخ وقال : يا ولدى انك لا تعرف الله تعالى حتى تمشى باسمه على الماء ، فاصبر حتى اعرفك بعظمة الله تعالى . ثم اسقط الوسائط انتهى .

وفى الجملة فاتخاذ الشيخ الحى ان وجد ، وإلا فالميت أولى. والكل أموات لماقدمناه من اشارة قوله تعالى: (انك ميت وانهم ميتون) فافهم ترشد إن شاء الله تعالى ولا تعترض تكن من الهالكين . فان الله تعالى يغار لاوليائه إذا انتهكت حرماتهم أشد غيرة ولا إله غيره انه لقول فصل وماهو بالهزل انهم يكيدون كيدا واكيد كيدا فمهل الكافرين امهلهم رويدا .

وأما هذه الطبول والنايات وهذه الأعلام والرأيات التى تتقيد بها الفقراء اليوم وهذه الأوقات التى اخترعتها مشايخ هذا الزمان فان جميعها جهل ولهو وبطالة لاينبغى للشيخ المرشد أن يعملها ولا أن يقر عليها لمايترتب عليها من مفسدة الغرور بغير الله تعالى والأعراض عن طلب العلم النافع والاجتهاد فى سنن سيد المرسلين ﷺ وإن كنا نحن لا ننكرها على الكاملين العارفين إذا صدرت منهم (قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون إنما يتذكر أو لوالألباب) .

وأما الاجتماع وذكر الله تعالى الصحيح الخالى من اللحن مع الأدب والخشوع بعد معرفة الواجب من الاعتقاد الموافق ، والواجب من كيفية الأعمال الصالحة فى العبادات والمعاملات فهو أمر جائز مندوب إليه ولاالتفات لمن رده من تعصبه وجهله. فقد نقل الشيخ المناوى رحمه الله تعالى فى الشرح الكبير على الجامع الصغير عن

الشيخ الأسيوطى رحمه الله تعالى انه اخذ من قوله عليه الصلاة والسلام: أكثروا ذكر الله حتى يقولوا مجنون . ونحو هذا الحديث : ان ما اعتاده الصوفية من عقد حلق الذكر والجهر به فى المساجد ورفع الصوت بالتهاليل لا كراهة فيه . ذكره فى فتاواه الحديثية ، قال : وقد وردت أخبار تقتضى ندب الجهر بالذكر وأخبار تقتضى الاسرار به والجمع بينهما ان ذلك يختلف باختلاف الأحوال والأشخاص كما جمع النووى رضى الله عنه به بين الاحاديث الواردة بندب الجهر بالقرأة والواردة بندب الإسرار بها انتهى كلامه .

وأما خصوص هذا الصعق والزعق والصياح والاضطراب والتواجد عند سماع أقوال المغنين واحتباك أصوات الذاكرين جهراً فلا نطلق القول فيه . وإنما نفصل . فان كان بحق بان قام للتواجد قومة المضطر الذى استغرقه المعانى الالهية الواردة على قلبه وخاطره فى ذلك الوقت ، فانا لاننكر ذلك ولكن نسلمه لفاعله على أنه ليس كمالاً له . والكمال فى السكون كما قال الشيخ أرسلان رضى الله عنه فى رسالته فى علم التوحيد : إذا عرفته سكنت واذا جهلته تحركت . وأما إذا كان قيامه وتواجده بمجرد شهوة نفسية بعثته فحركته عمدا وهيمته واطربته وحملته على فعل ذلك الصياح والاضطراب ، فهو شيطان مريد يجب منعه وطرده وإخراجه من بين الجماعة حتى لا يفسد بقية الذاكرين ويشتت قلوبهم ويزيل خشوعهم وأدبهم .

فان قال قائل: من أين يعرف المريد المحق من المبطل ؟ نقول له : من شرب الخمرة لابد أن يتقاياها أو تنتفح رائحتها من فمه وبيان ذلك انا نسأله ما الذى حملك حتى صحت وزعقت واضطربت ؟ فان بين معنى الهيا يحمل ذلك وشرح لنا شيأ من المعانى الواردة على قلبه عند السماع بحيث نستدل بالثمرة على الأغصان وبالزهرة على البستان سلمنا له ذلك واعتقدنا فيه الصلاح .

وأما إذا سألناه فوجدناه من جملة الثيران لا يزيد على قوله همت فى محبة ربى وأنها جنى ذكرى حقائق الوجود وهو متعر من كل فضيلة فهو شيطان عنيد يجب طرده واخراجه وتأديبه .

وأما إنشاد الأشعار التى تكلم بها العارفون كاشعار الشيخ شرف الدين ابن الفارض والشيخ الأكبر ابن العربى وعفيف الدين التلمسانى والشيخ عبدالهادى السودى ونحوهم من السادة الصوفية رضى الله عنهم فهى جملة المهيجة القلبية إلى الحضرة الإلهية . فكل من كان يفهم الحقائق يجوز له سماعها وإنشادها ، وكل من البته واو قعته فى الطرب النفسانى ولم ينتفع منها بوارد يرد على قلبه فلا يجوز له سماعها ، لأنّ سماعه حينئذ مجرد لهو وبطالة ، كما قال الشاعر :

لقد اسمعت لو ناديت حياً
ولكن لا حياة لمن تنادى

ويجب علينا أن لا نسيىء الظنون فى أحد من العالمين الاّ لمجاهر بكفره ومتهتك بفسقه إذا أخبر عن نفسه أو اطلعنا عليه من فلتات كلامه وتحققنا عدم فهمه وعدم تحققه بربه ، والجميع عندنا محمولون على الكمال، ولكن هذا مقدار الواجب علينا فى البيان ويجب على كل مسلم أن لا يخون نفسه ويغالطها . فان وجدلها قوة على المعرفة والانتفاع بحضور حلق الذكر المشتمل على السماع والوجد والإنشاد فليحضر ، وإلاّ فاشتغاله بطلب العلوم النافعة أولى كما قال القائل شعرا :

إذالم تستطع شيئاً فدعه
وجاوزه إلى ماتستطيع

وليحذر كل الحذر أن يكون منافقاً فى الطريق فان الناقد بصير (والله بما تعلمون خبير) .

واما هذا الزى المخصوص الذى اتخذه كل فريق من الصوفية كلبس المرقعات وميازر الصوف والميلويات فهو أمر قصدوا به التبرك بمشايخهم الماضين ، فلاينهون عنه ولايؤمرون به فان غالب ملابس هذا الزمان من هذا القبيل كالعمائم التى اتخذها الفقهاء والمحدثون . والعمائم التى اتخذها العسا كر والجنود والملابس التى تتخذها عوام الناس وخواصهم فانها جميعها مباحة ، وليس فيها شىء يوافق السنة إلا القليل . ولا نقول انها بدع ايضاً لان البدعة هى الفعلة المخترعة فى

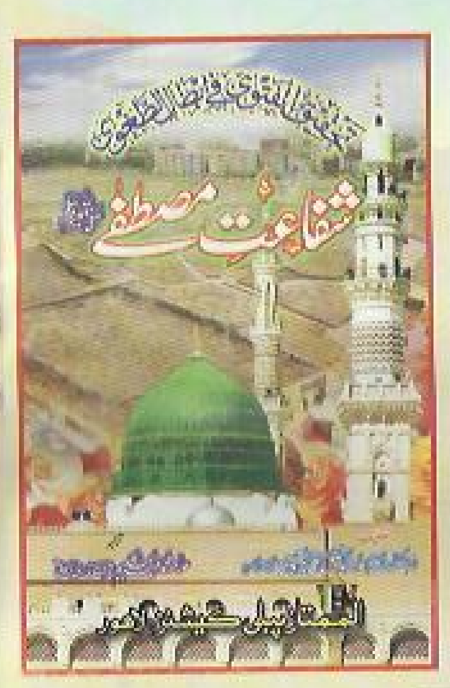
الدين على خلاف ماكان عليه النبى ﷺ وكانت عليه الصحابة والتابعون رضى الله عنهم وهذه الهيئات والملابس والعمائم ليست مبتدعة فى الدين بل هى مبتدعة فى العادة ولاهى مخالفة للسنة ايضاً على حسب ما عرف الفقهاء السنة بأنها كل فعلة فعلها النبى ﷺ على وجه العبادة لا العادة . ولم يكن النبى ﷺ يلبس العمامة على سبيل العبادة ولالبس الثياب المخصوصة على طريق العبادة . وانما القصد بذلك ستر العورة ودفع اذية الحر والبرد . ولهذا ورد عنه لبس الصوف والقطن وغير ذلك من الثياب العالية والسافلة . فليس مخالفته فى ذلك مخالفة سنة وإن كان الاتباع فى جميع ذلك أفضل لأنه مستحب والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب . وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحابه أجمعين . آمين .

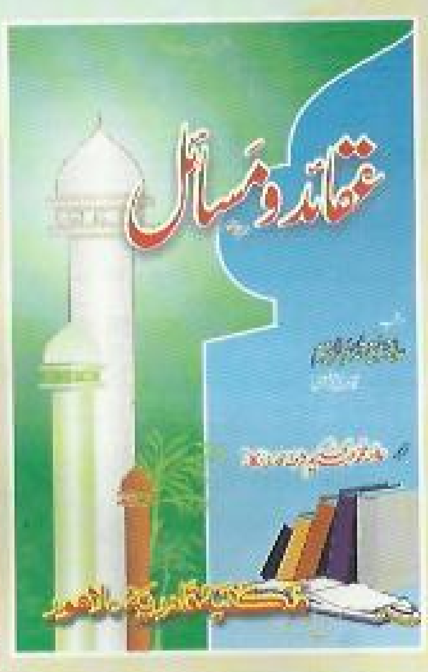
وكان الفراغ من تصنيفها نهار الأربعاء السادس والعشرين من شعبان سنه أربع وثمانين بعدالالف ١٠٨٤ من الهجرة النبوية .

وكان الفراغ من كتابتها على يدالفقير محمد عمر الدويكى الشافعى عفا عنهما منتصف صفر المبارك سنة تسع وثمانين وألف (١٠٨٩) .


احسان الٰہی ظہیر کی کتاب
البریلویہ
کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ (عربی زبان میں)
اہلسنت کے عقائد پر قرآن و سنت اور اکابرینِ اُمت کی آراء سے استشہاد
ین الاقوامی سکالر اور محقق علامہ سید یوسف سید ہاشم رفاعی، مفسرِ قرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری
جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان، ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی
ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس کے مقالات اور تقریظات سے مزین۔
انتہائی سنجیدہ و متین لہجہ، محققانہ اسلوب، ادیبانہ آہنگ
عربی زبان میں لکھی گئی ایک اہم تصنیف،
جس کا ہر صاحبِ علم
منتظر تھا۔
من عقائد
اہل السنۃ
منظمۃ الدعوۃ الاسلامیۃ
لاہور پاکستان
ظرِ عام پر آگئی ہے۔
خامت: ۳۸۸ صفحات
قریبی بُک سٹال سے
دیں یا براہِ راست
سے طلب فرمائیں
مکتبہ قادریہ داتا دربار مارکیٹ لاہور

مکتبۂ قادریہ ۔ لاہور





علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری برکاتی

- اسلامی عقائد
- عقائد و نظریات
- زندہ و جاوید خوشبوئیں
- سدا بہار خوشبوئیں
- کیا ہم محفل منعقد کریں؟
- مطالع المسرات
- عقائد و معمولات
- تعارف فقہ و تصوف